شاعرِ انقلاب جوش ملیح آبادی
کی مذہبی شاعری سے انتخاب

عرفانیاتِ جوش

تحقیق و تدوین

ڈاکٹر ہلال نقوی

ادارہ احیائے تراث اسلامی کراچی پاکستان

عرفانیاتِ جوشؔ

تحقیق و تدوین

ڈاکٹر ہلال نقوی

ناشر

ادارۂ احیائے تراث اسلامی، کراچی، پاکستان

پہلا ایڈیشن

جولائی ۱۹۹۲ء

دوسرا ایڈیشن

دسمبر ۲۰۱۱ء..... محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

نام کتاب : عرفانیات جوشؔ
تدوین : ڈاکٹر ہلال نقوی
ناشر : ادارۂ احیائے تراث اسلامی، کراچی، پاکستان
تعداد اشاعت: ۵ ہزار
قیمت : ۲۰۰ روپے

ملنے کا پتہ
احمد اسٹیشنرز و بک سیلرز
اسٹاکسٹ، ہول سیلرز اینڈ سپلائرز
718/20 فیڈرل بی ایریا، کراچی، پاکستان
فون: (021-36364924)
Email: ama_17_83@hotmail.com

انتساب

دانیال اور فاطمہ کی کمسن بیٹیوں یعنی
اپنی پوتیوں
سکینہ علی، زارا علی
اور
علیز او نبیل کے نوخیز فرزند یعنی
اپنے نواسے
اسد علی کے نام

میری تخلیقی و تحقیقی سرگرمیوں کی تھکاوٹ کو
جن کی معصوم محبتیں
نئی امنگوں میں تبدیل کرتی رہتی ہیں

عرضِ ناشر

عرفانیات جوش کا دوسرا ایڈیشن حاضر ہے۔

ادارہ احیاء تراث اسلامی اپنے زمانہ قیام ۱۹۸۵ء سے علمی و ادبی، تہذیبی و ثقافتی بنیادوں پر طباعت و اشاعت کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ بہت کم مدت میں ہم نے بہت اہم کتابیں شائع کی ہیں۔ ہماری موجودہ کتاب، عرفانیات جوش، حضرت جوش ملیح آبادی کی ان نایاب نظموں، سلاموں اور رباعیات کا انتخاب ہے، جو مذہبی حوالے سے لکھی گئیں۔ اس کتاب کو ہمارے عہد کے ادبی دانشور اور اسکالر ڈاکٹر ہلال نقوی نے پورے ادبی معیار کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔

جدید عہد کی مرثیہ نگاری میں ڈاکٹر ہلال نقوی کا مقام اپنی جگہ پر، مرثیے کے حوالے سے ڈاکٹریٹ کے لیے ان کے مقالے کی اہمیت سے بھی انکار نہیں، لیکن انہوں نے تحقیقی بنیادوں پر جوش ملیح آبادی کے بارے میں ادھر جو کتابیں ترتیب دی ہیں اس نے انہیں جوش کے متعلق ''اتھارٹی'' کا درجہ دے دیا ہے۔

ادارہ احیاء تراث اسلامی جن وقیع موضوعات پر کتابیں شائع کر رہا ہے۔ یہ کتاب اسی سلسلہ کا ایک اگلا قدم ہے۔ اس کتاب کی اہمیت یوں بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ ایک عظیم شاعر کے بکھرے ہوئے کلام کو ایک خاص موضوع کے تحت یکجا کرنے کی ایک بڑی کوشش ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب شائقین ادب کے لیے عموماً اور قارئین جوش کے لیے خصوصاً ایک اعتبار و معیار کی حامل ہوگی۔

شہنشاہ جعفری ایڈووکیٹ

۱۵ر نومبر، ۲۰۱۱ء

فہرست

سلام

اس کتاب کے حوالے سے

''عرفانیاتِ جوش'' بہ اعتبارِ موضوع جوش صاحب کی ان نظموں کا مجموعہ ہے جو مذہبی حوالے سے لکھی گئیں یا جن کے پس منظر میں عقیدہ، مذہب، مذہبی فکر، اسلام کی انقلابی روش یا امت مسلمہ کے لیے اصلاحی جذبہ کارفرما تھا۔ وہ تمام نظمیں بھی اس مجموعے کا حصہ ہیں جو حضرت رسالت مآب یا خاندانِ رسالت کی مدح میں کہی گئیں۔ اس شعری مجموعے کی نظموں میں مختصر ترین نظم ''اذان'' ہے جس میں صرف تین شعر ہیں اور طویل نظموں میں ''پیغمبرِ اسلام'' اور ''طلوعِ فکر'' ہے۔ آخر الذکر نظم بہ شکلِ مسدس ۱۱۰ بندوں پر مشتمل ہے۔ یہ طویل نظم انہوں نے پاکستان میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے دو سال بعد کہی اور چہاردہ صد سالہ جشن یادگار مرتضوی (۱۹۵۷ء) کے موقع پر رضویہ سوسائٹی کراچی کے ایک عظیم الشان اجتماع میں پڑھی۔

جوش صاحب کا شعری سفر کم و بیش ۷۵ برسوں پر محیط ہے۔ وہ ہماری تاریخ کے گنتی کے ان چند شعراء میں سرفہرست ہیں جن کا تخلیقی سرمایہ، اپنی تعداد اور بلحاظ ضخامت، اردو زبان و ادب کیلئے وجہ افتخار ہے۔ نو برس کی عمر میں انہوں نے پہلا شعر کہا۔

شاعری کیوں نہ راس آئے مجھے
یہ مرا فن خاندانی ہے

بہت کم عمری میں ان کی شعر گوئی کے سفر کا آغاز غزل سے ہوا، لیکن ان کے شعری مزاج میں ابتداء ہی سے جو نظمیہ پھیلاؤ گندھا ہوا تھا وہ اس صنفِ سخن کے ساتھ نہیں چل سکا، چنانچہ وہ غزل ترک کر کے نظم گوئی کی طرف مائل ہو گئے۔ یہ ۱۹۱۴ء کا زمانہ تھا۔ پروفیسر احتشام حسین کے نام ایک خط میں جوش صاحب نے اس زمانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ...... چونکہ وہ محرم کا زمانہ تھا چنانچہ میں نے سب سے پہلی نظم ہلالِ محرم کے نام سے لکھی جو تلف ہو چکی ہے......

اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں جوش صاحب نے اس قسم کی بہت سی نظمیں لکھیں۔ اپنے زمانۂ نوعمری میں جب وہ لکھنؤ سے دکن چلے گئے تو وہاں بھی اس حوالے سے ان کی نظم گوئی کا سلسلہ جاری رہا۔ دکن کے عصرِ حاضر کے بزرگ مرثیہ گو شاعر باقر امانت خانی اپنے

بچپن کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے ۳ جولائی ۱۹۸۰ء کے خط میں مجھے لکھتے ہیں کہ

"......۱۹۲۳ء میں نواب بہرام الدولہ کے شادی خانے کی مجلس میں مرزا دبیر کے پوتے مرزا محمد طاہر رفیع نے مرثیہ پڑھا تو جوش صاحب نے پیش خوانی کی اور سلام پڑھا اس مجلس میں علامہ نظم طباطبائی بھی شریک تھے......"

جوش صاحب سے میں نے جب بھی ان کی شاعری کے ابتدائی دور کی اس مزاج کی نظموں کے بارے میں دریافت کیا، انہوں نے یہی کہا کہ ان میں سے اکثر بکھر چکی ہیں۔ وہ اپنے انٹرویوز میں، نجی گفتگو میں، اور بعض تحریروں میں بھی اپنے کلام کے بکھر جانے اور کھو جانے کا تذکرہ کرتے رہے ہیں...... ان کی بعض تحریریں کہاں گئیں...... کیا یہ کہیں گر گئیں...... یا، انہیں کوئی لے اڑا...... میں نے اپنی کتاب "جوش ملیح آبادی کی نادر و غیر مطبوعہ تحریریں" کی جلد اول کے مقدمے میں اس بارے میں تحقیقی ذمہ داریوں کو برتتے ہوئے بعض حقائق قلمبند کر دیئے ہیں۔

جوش صاحب کی غیر مطبوعہ تحریروں کا بکھرنا یقیناً ایک ادبی المیہ ہے لیکن یہ بات بھی ایک تکلیف دہ صورتحال سے کم نہیں کہ ان کے مطبوعہ نثری و شعری مجموعے بھی اب دستیاب نہیں ہوتے کم از کم ایک عام قاری کی ان تک پہنچ نہیں، تحقیق کرنے والوں کی رسائی بھی بہ مشکل چند مجموعوں تک ہوتی ہے ورنہ ان کا بیشتر مطبوعہ نثری و شعری اثاثہ برصغیر ہندو پاک کے نجی یا سرکاری کتب خانوں میں بکھرا پڑا ہے۔ ٹیلی ویژن کے پاس جو فلمیں ہیں یا ریڈیو پاکستان کی لائبریری میں جو کیسٹ موجود ہیں، اس میں بھی چند ہی یادگار تخلیقات ہیں۔ راغب مراد آبادی صاحب کے پاس البتہ جو کیسٹ محفوظ ہیں وہ جوش صاحب پر تحقیق کرنے والوں کیلئے بہت اہمیت رکھتے ہیں مگر ان کو کاغذ پر بھی لانا ضروری ہے۔

۱۹۷۶ء اور ۱۹۸۱ء کے دوران جدید مرثیے کے حوالے سے جب میں مقالہ لکھ رہا تھا مجھے ان کے مطبوعہ نسخوں کو حاصل کرنے لیے سخت زحمتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ خود جوش صاحب کے پاس بھی یہ نسخے نہیں تھے، یہاں تک کہ انہوں نے اپنے ایک مکتوب (مرقومہ ۸ راگست ۱۹۷۷ء اسلام آباد) میں خود مجھ سے یہ دریافت کیا تھا کہ کیا مجھے اپنی تحقیقی دوڑ دھوپ کے دوران ان کا مسدس آگ کہیں مل سکا یا نہیں۔

عرفانیات جوش میں جو نظمیں ہیں ان میں سے بیشتر نظموں کو میں ۱۹۸۳ء سے پہلے مرتب کر چکا تھا۔ میرے پاس جوش صاحب کے جو مجموعے تھے وہ اس ضمن میں میرے لیے

بہت مددگار ثابت ہوئے۔ کراچی کے بعض کتب خانوں میں بھی کچھ مجموعے نظر آئے۔ مگر ان کا حصول ممکن نہیں تھا۔ امروہا (ہندوستان) میں میرے دوست عظیم امروہوی کے پاس بھی چند مجموعے ہیں مگر ان تک بھی میری دسترس کا امکان نہیں تھا۔ اس ضمن میں مجھے سب سے زیادہ مدد اپنے دوست خطیب حریت علامہ سید علی کرار نقوی سے ملی کراچی میں وہ شاید واحد آدمی ہیں جن کے پاس جوش کے تقریباً تمام مطبوعہ نثری و شعری مجموعے موجود ہیں۔

عرفانیات جوش کی نظموں کا یہ انتخاب ایک طرح سے ڈاکٹریٹ کے لیے میرے تحقیقی مقالے "بیسویں صدی اور جدید مرثیہ" کا ایک جزوی حصہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ مارچ ۱۹۸۳ء میں یہ ضخیم مقالہ (ٹائپ شدہ) میں نے کراچی یونیورسٹی کے سپرد کر دیا تھا۔ اس کو مزید ضخامت سے بچانے کے لیے مختلف شعراء کی رثائی نظموں اور مرثیوں کے اقتباسات میں نے درج نہیں کیے تھے۔ جوش کے متعلق باب میں سوائے چند متفرق اشعار اور چند بندوں کے یہ تمام نظمیں حوالے میں نہیں آسکی تھیں، ان پر کچھ نوٹس بھی تھے جو مقالے کا حصہ نہیں بن سکے...... ابھی چند ماہ قبل محترمی نصیر ترابی نے ایک موقع پر ان نظموں سے متعلق مرے مسودے کو دیکھ کر مشورہ دیا کہ انہیں ایک الگ کتاب کی حیثیت دے دی جائے ورنہ یہ نادر تخلیقات ضائع ہو جائیں گی، اور جوش کی مجموعوں کی نایابی کی وجہ سے ان کو پھر یکجا کرنا کار دشوار ہوگا...... رائے اچھی تھی، میں آمادہ ہو گیا اور کتاب مرتب ہو گئی...... کتاب کا نام بھی نصیر ترابی ہی نے "عرفانیات جوش" تجویز کیا۔ موضوع اور انتخاب کے اعتبار سے اس نام میں بڑی معنویت تھی چنانچہ یہی نام کتاب کی پہچان بن گیا۔

جوش صاحب نے پوری زندگی شعر و ادب کے تخلیقی سفر میں گزاری ہے، انہوں نے بہت لکھا ہے اور تسلسل کے ساتھ لکھا ہے، شاید ہی ایسی کوئی صبح گزری ہو جب انہوں نے رباعی تخلیق نہ کی ہو ان کی نظم حرف آخر تیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے، اور اب تک غیر مطبوعہ ہے۔ وہ ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہوں پر رہے ہیں اور مختلف شہروں میں رہے ہیں، ان دونوں ملکوں میں ان کی تخلیقات کی فصل پروان چڑھی ہے...... اس فصل کو بکھرنے سے بچانا اہل تحقیق کی اولین ذمہ داری ہے۔

ڈاکٹر ہلال نقوی

صدر شعبہ اردو

گورنمنٹ کالج گلشن اقبال، کراچی

۳ر جولائی ۱۹۹۲ء

دوسرا ایڈیشن

ہمارے دوست شہنشاہ جعفری صاحب جو اس کتاب کے ناشر ہیں اشاعتِ کتب اور ترسیل وترویج کی ذمہ داریوں میں اتنے گم رہتے ہیں کہ "عرفانیات جوش" کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۲ء کے کم وبیش ۲۰ سال بعد منظر عام پر آرہا ہے۔ جوش صاحب کے قارئین کے مسلسل تقاضوں سے وہ اسے بہت پہلے شائع کرنا چاہتے تھے مگر ان کے ہمہ وقتی کار اشاعت نے کم ہی مہلت دی۔ پھر جب ان کا مجھ سے یہ اصرار بڑھنے لگا کہ میں ان پر ایک نظر ڈال لوں تو میری طویل علالت مانع رہی۔ اب جا کر جی ہلکا ہوا اور صحت کی طرف سے جو مشکلات تھیں ان میں کمی آئی تو میں جوش صاحب کی ان تحقیقات پر نظر ڈالنے کے قابل ہو سکا ہوں۔

پہلے ایڈیشن کا انتساب میں نے اپنے بچوں دانیال اور علیزا کے نام کیا تھا۔ اب ۱۹ سال بعد دوسرے ایڈیشن میں یہ انتساب اپنے انہی بچوں کے بچوں کے نام کرتے ہوئے زندگی کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو رہا ہے۔

ڈاکٹر ہلال نقوی
وزیٹنگ فیکلٹی
پاکستان اسٹڈی سینٹر
کراچی یونیورسٹی
۱۰ رنومبر ۲۰۱۱ء

خدا کی پہلی آواز

اے مری تخئیل بن جا کائناتِ ہست و بُود
ہاں پہن اے جذبہ ایجاد تشریفِ وجود

اے عدم اُٹھ گامزن ہو شکل موجودات میں
اے مرے اجمال آجا رنگِ تفصیلات میں

ہاں مجسم حُسن ہو جا اے مرے دل کی ترنگ
اے تو یکی سادگی بن جا نگارِ آب و رنگ

محمل اسماء میں آجا، لیلٰی وجہ جمیل
پردۂ اشکال میں چھپ جا مری روحِ جلیل

حلقۂ امکاں میں در آ اک نئے انداز سے
اے مری ذات، اپنے دامن کو جھٹک کر ناز سے

اے مرے ہیجان بن جا کارگاہِ این و آں
معرضِ ہستی میں آجا اے زمیں اے آسماں

اے زمیں آباد ہو جا آشنائے راز سے
گونج اٹھ اے آسماں، انسان کی آواز سے

اے خموشی بڑھ، رکابِ نطقِ آدم تھامنے
اے پہاڑو سر جھکا دو، آدمی کے سامنے

اپنی تمکیں سے خبردار اے عروسِ بحر و بر
ہو رہا ہے خاک پر اسرارِ حق کا پردہ در

ہاں ابل پڑ سینۂ انگور سے موجِ شراب
شاہدِ آفاق کے چہرے سے اُٹھ جا اے نقاب

اے سمندر ہاں ادب کے ساتھ شورِ پیچ و تاب
پاک انساں کے قدم لے اے دہکتے آفتاب

ہاں اٹھ اے آفاق، استقبالِ آدم کیلئے
سر و قد ہو اے عناصر، خیر مقدم کیلئے

سختیوں کو ترک کر دو، نرمیوں سے کام لو
ابر و برف و باد! طوفانوں کی باگیں تھام لو

اے شگوفو مسکراؤ، آبشارو گیت گاؤ
گنگناؤ اے ہواؤ، اے پرندو چہچہاؤ

بخشتا ہوں لے تجھے روحِ عظیم و نفسِ پاک
ہاں کلاہِ فخر کج کر اے جواں اقبال خاک

ہوش میں آ اے غنودہ فرشِ خاکی ہوش میں
کچھ خبر ہے عرش آتا ہے تری آغوش میں

آدم کا نزول

ذرہ ذرہ سے اٹھی اک تازہ موج زندگی
آسمانوں نے علم کھلے زمیں نے سانس لی

بھاپ بن کر چھائی میدانوں پہ روح بحر و بر
دید کی خاطر پہاڑوں نے اٹھائے اپنے سر

سنسنائی سینۂ فولاد میں تیغ دودم
پتھروں میں کسمسائے ناتراشیدہ صنم

خفتہ میدانوں میں شہروں کا تخیل جاگ اٹھا
ایک پر تو سا در و دیوار کا پڑنے لگا

لیلئ تعمیر کا رخسار لو دینے لگا
گونج اٹھی کہسار کے سینے میں تیشے کی صدا

حکمِ قدرت کو لئے موجِ ہوا آنے لگی
"باادب، باہوش" کی پیہم صدا آنے لگی

ذوق ایجادات و صنعت کا بگل بجنے لگا
آئی طبلِ عالمِ خاکی سے "دوں دوں" کی صدا

اپنے میثاقِ اطاعت کو سنانے کے لئے
آئیں ساری قوتیں عالم کی صف باندھے ہوئے

سامنے آ آ کے اشیاء نے بتائے اپنے نام
ہو نکتے، بچھرے عناصر نے کیا جھک کر سلام

تند طوفانوں کی اکڑی گردنیں خم ہوگئیں
احتراماً قدِ آدم بحر کی موجیں اٹھیں

رکھ کے کشتی میں خواصِ این وآں بہر خراج
نذر کو آیا قوائے کار فرما کا مزاج

جھک گئی ہستی مؤدب ہوگئے ارض و سما
شاہدان دہر نے وا کر دیے بندِ قبا

روشنی کو سینۂ ظلمت میں راہیں مل گئیں
خاک کے در کھل گئے، کانوں کی باچھیں کھل گئیں

نو عروس دہر نے زلفوں کو برہم کر دیا
چاند مجرے کو جھکا، سورج نے سر خم کر دیا

انکشافاتِ توحید

فسوں بدوش ہے کالی گھٹا اندھیری رات
تمام ارض و سما کے چراغ ہیں خاموش

فضاؤں پر نہ تلاطم، نہ بجلیاں، نہ گرج
زمین پر نہ تبسم، نہ زمزمے، نہ خروش

فرازِ عرش پہ سنجیدگی، دعا بر لب
بساطِ خاک پہ دہشت، جلال در آغوش

رواں ہے لشکر سود و زیاں، عناں بہ عناں
رواں ہے قافلہ کرب و کیف، دوش بدوش

دماغ و دل سے بیک وقت چھیڑ کرتی ہے
ہوائے نرم، باندازۂ پیامِ سروش

جو سامنے ہے تو بس اک حقیقتِ کبریٰ
تمام ارض و سما کا طلسم ہے روپوش

فریب، غمزۂ اشکال و عشوۂ اسماء
نقاب اٹھائے ہوئے دشت میں ہے جلوہ فروش

بربِ کعبہ کہ جوہر ہے کوئی شے نہ عرض
خدا گواہ کہ فردا ہے کوئی چیز نہ دوش

زمانہ دست و گریباں ہے اصطلاحوں پر
کسے خبر کہ ہے ہر اصطلاح، کفر بدوش

بس اک وجود میں گم ہے تمام موجودات
تمام عالمِ مستی، تمام عالمِ ہوش

یہ رازِ دوست ہے اے جوشؔ ناتمام اندیش
سیاہ کارا خدا کے لئے خموش، خموش!!

☆......☆

اذان

افق سے سحر مسکرانے لگی
موذن کی آواز آنے لگی

یہ آواز ہر چند فرسودہ ہے
جہاں سوز صدیوں سے آلودہ ہے

مگر اس کی ہر سانس میں متصل
دھڑکتا ہے اب تک محمدؐ کا دل

☆......☆

سورہ رحمٰن

اے فنا انجام انساں کب تجھے ہوش آئے گا
تیرگی میں ٹھوکریں آخر کہاں تک کھائے گا
اس تمرّد کی روش سے بھی کبھی شرمائے گا
کیا کرے گا سامنے سے جب حجاب اٹھ جائے گا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا

سبز گہرے رنگ کی بیلیں چڑھی ہیں جابجا
نرم شاخیں جھومتی ہیں، رقص کرتی ہے صبا
پھل وہ شاخوں میں لگے ہیں دلفریب و خوشنما
جنکا ہر ریشہ ہے قندو شہد میں ڈوبا ہوا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا

یہ سحر کا حسن، یہ سیارگاں اور یہ فضا
یہ معطر باغ، یہ سبزہ، یہ کلیاں دل ربا
یہ بیاباں، یہ کھلے میدان یہ ٹھنڈی ہوا
سوچ تو کیا کیا، کیا ہے تجھ کو قدرت نے عطا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا

پھول میں خوشبو بھری، جنگل کی بوٹی میں دوا
بحر سے موتی نکالے صاف، روشن، خوش نما
آگ سے شعلہ نکالا، ابر سے آبِ صفا
کس سے ہو سکتا ہے اس کی بخششوں کا حق ادا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا

خلد میں حوریں تری مشتاق ہیں، آنکھیں اٹھا
نیچی نظریں جن کا زیور، جن کی آرائش حیا
جن و انساں میں کسی نے بھی نہیں جن کو چھوا
جن کی باتیں عطر میں ڈوبی ہوئی جیسے صبا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا

ہر نفس طوفان ہے، ہر سانس ہے اک زلزلہ
موت کی جانب رواں ہے زندگی کا قافلہ
مضطرب ہر چیز ہے جنبش میں ہے ارض و سما
ان میں قائم ہے تو تیرے رب کے چہرے کی ضیا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا

اپنے مرکز سے نہ چل منہ پھیر کر بہر خدا
بھولتا ہے کوئی اپنی انتہا اور ابتدا
یاد ہے وہ دور بھی تجھ کو کہ جب تو خاک تھا
کس نے اپنی خاک سے تجھ کو منور کر دیا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا

صبح کے شفاف تاروں سے برستی ہے ضیا
شام کو رنگ شفق کرتا ہے اک محشر بپا
چودھویں کے چاند سے بہتا ہے دریا نور کا
جھوم کر برسات میں اٹھی ہے متوالی گھٹا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا

☆......☆

اللہ کی رحمت

یہ ابر، یہ وادی، یہ گلشن، یہ کوہ و بیاباں، یہ صحرا
یہ پھول، یہ کلیاں، یہ سبزہ، یہ موسمِ گل، یہ سرد ہوا
یہ شام کی دلکش تفریحیں، یہ رات کا گہرا سناٹا
یہ پچھلے پہر کی رنگینی، یہ نورِ سحر، یہ موجِ صبا

معبود کی کس کس بخشش کو منکر ے گا چھپائے جائے گا
اللہ کی کس کس نعمت کو اے منکرِ دیں جھٹلائے گا

اللہ کی رحمت عام ہے سب پر شاہ ہو اس میں یا ہو گدا
یہ چاند، یہ سورج، یہ تارے، یہ نغمہ بلبل، یہ دریا
دونوں کے لئے یہ تحفے ہیں، کچھ فرق اگر ہے تو اتنا
ان جلوؤں سے لذت پاتا ہے آزاد کا دل منعم سے سوا

شاہوں کے سروں میں تاجِ گراں سے درد سا اکثر رہتا ہے
جو اہلِ صفا ہیں ان کے دل میں نور کا چشمہ بہتا ہے

الٰہی گدا ہوں، مجھے شاہ کر دے
ضمیرِ محمدؐ سے آگاہ کر دے

حضرت رسالت مآبؐ

آج بھی میرے دل میں دنیا کے تمام بانیان مذاہب کا بے حد احترام ہے، اور خصوصیت کے ساتھ قوت وحیات کے شاہکار، حضرت محمدؐ عربی، حضرت علیؑ اور حضرت حسینؑ کا شیدائی اور آبائی عقائد سے آزاد ہو جانے کے باوجود، میں ان متذکرہ تینوں مقتدر ہستیوں کا دل سے پرستار ہوں۔

آنحضرتؐ کے بارے میں اکثر، یہ سوچتا رہتا ہوں کہ عرب کی سی جہالت کی راج دھانی میں، اور وہ بھی آج سے کچھ اوپر، چودہ سو برس پیش تر ان کا پیدا ہو جانا، اور کسی ایک متنفس کی شاگردی کیے بغیر جہاں استاد کا مرتبہ حاصل کر لینا، روزگار کا ایک ایسا معجزہ عظیم ہے کہ انسانی تاریخ، انگشت حیرت کو، اپنے دانتوں کے نیچے سے، آج کے دن تک نکال نہیں سکی ہے۔ وہ پیدائشی عالم اور پیدائشی مفکر اور نظری نہیں، عملی مفکر تھے۔

انہوں نے جاہلوں کے درمیان حقائق کو آشکار کر کے، سقراط کے مانند، زہر کا پیالہ پیا، اور حقائق کو دل نشیں لباس پہنا کر چشمہ حیواں پر قبضہ کر لیا۔

سقراط نے اپنی قوم کی ذہنی سطح سے بلند ہو کر زبان کھولی، اس کو ہمیشہ کے واسطے خاموش کر دیا گیا۔ محمدؐ نے اپنی قوم کی ذہنی سطح پر قدم رکھ کر بات کی، اور وہ بات، اذان بن کر، اس دنیا میں اب تک گونج رہی ہے۔ محمدؐ کو ایسی حیرت ناک بصیرت حاصل تھی کہ وہ اپنے گرد و پیش کے لوگوں کی لرزش مژگاں سے، ان کے دلوں کی پرتیں شمار کر لیتے، اور ان کے انفاس کی درازی و کوتاہی پر نظر جما کر، ان کے جذبات و خیالات کا عرض و طول ناپ لیا کرتے تھے۔

وہ ایک طرف تو اپنی قوم کے تمام مکروہات و مرغوبات کے زبردست نباض تھے، اور دوسری طرف وہ نوع انسانی کی اس کمزوری کو بھی پا گئے تھے کہ یہ سود و زیاں کی زنجیروں میں جکڑا ہوا خود پرست حیوان، صرف تخویف و تحریص کی وساطت سے راہ راست پر لایا جا سکتا ہے۔

اور اسی لیے وہ دوزخ کے انگاروں اور حوروں کے رخساروں کو دمکا کر، اپنی قوم کو راہ راست پر لے آئے۔ انہوں نے ایک مصلح عملی حکیم کے مانند، یہ

فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اپنی تقریر وں میں، ایسی فلسفیانہ موشگافی، ایسی منطقی پردہ دری، اور ایسی حقائق کش، برہنہ گفتاری سے کام نہیں لیں گے، جس سے ایک صحرانشیں قوم کی فضیلت میں فرق پڑ سکتا ہے۔

اور اسی دانش مندانہ فیصلے کی بناء پر، انہوں نے کاروان خیال کی نقل و حرکت کے واسطے، ایک وجدانی شاہ راہ تراش لی، اور اس کے دونوں طرف، روایات، کنایات، اشارات، تمثیلات اور تشبیہات کے درخت، اس قدر ریپونگی کے ساتھ نصب فرما دیے، کہ منطق کی شعلہ بار دھوپ، اس شاہ راہ کے مسافروں کو جھلسا نہ سکے اور تمام قافلے، بے روک ٹوک چلتے رہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے کلمات کی خنکی، ان کے لہجے کی لچک، اور ان کے پراسرار الفاظ کی دھنک کے نیچے، اس شاہ راہ سے، لاکھوں قافلے اب تک گزرتے نظر آرہے ہیں اور محمدؐ کا دل، کروڑوں انسانوں کے سینوں میں آج بھی دھڑک رہا ہے۔

اور پھر، دنیا کی سب سے زیادہ انوکھی بات یہ ہے کہ موت کے بھیانک میدان میں، حوروں کے خیمے نصب کر کے، انہوں نے عربوں کے خون میں حرارت پیدا کر دی کہ مٹھی بھر آدمیوں نے دیکھتے ہی دیکھتے، آدھی دنیا کو مسخر کر کے خاک نشیں کملی والے تاج دار کے قدموں پر لا کر ڈال دیا۔

اے غلاموں کو، مقام فرزندی تک لانے والے۔ اے قاتلوں کو، مسیحائی کے گر سکھانے والے، اے انگاروں میں پھول کھلانے والے، اے خوف و حزن کو علامتِ کفر بتانے والے، اور اے رگ ہائے ذرات میں، نظام شمسی کا لہو دوڑانے والے۔

اے وحشیوں کو بردباری۔ اے زلزلوں کو تمکین شعاری۔ اور اے عزائم انسانی کو۔ آفاق شکاری عطا فرمانے والے۔ اے لاوارثوں کے وارث۔ اے بے آسراؤں کے سہارے۔ اے یتیموں کے باپ، اور اے بیواؤں کے سہاگ...... اے، حرف ناشناس معلم، اے سفر نہ کردہ سیاح، اے فاقہ کش رزاق...... اے خلق کی برہان عظیم، اے امی حکیم...... اے خدیو اقلیم حبل المتین، اے اولاد آدم کی فتح مبین، اے ناموس ماوطین اور رحمتہ اللعالمین! روحِ کائنات کا سجدہ تعظیمی قبول فرما۔

ولادت رسولؐ

(یہ نظم حیدرآباد دکن کی ایک محفل میلاد کے لیے نہایت عجلت میں عین وقت پر کہی گئی تھی)

اے مسلمانو! مبارک ہو نوید فتح یاب
لو وہ نازل ہو رہی ہے چرخ سے ام الکتاب
وہ اٹھے تاریکیوں کے بام گردوں سے حجاب
وہ عرب کے مطلعِ روشن سے ابھرا آفتاب
گم ضیائے حق میں شب کا اندھیرا ہوگیا
وہ کلی چٹکی، کرن پھوٹی، سویرا ہوگیا

زلف کا پیغام پھر باد صبا دینے لگی
پھر زبانِ گل صدائے مرحبا دینے لگی
شہپرِ جبریل کی جنبش ہوا دینے لگی
صبح لہرا کر چلی، شب راستا دینے لگی
مہر کا زریں سفینہ آسماں کھینے لگا
چرخ پر دریائے نور انگڑائیاں لینے لگا

خسرو خاور نے پہنچا دیں شعاعیں دور دور
دل کھلے، شاخیں ہلیں، شبنم اڑی، چھایا سرور
آسماں روشن ہوا، کانپی زمیں پر موجِ نور
پو پھٹی، دریا بہے، ٹھنڈی ہوا، چہکے طیور
نور حق فاران کی چوٹی کو جھلکانے لگا
دلبری سے پرچم اسلام لہرانے لگا

گر د بیٹھی کفر کی، اٹھی رسالت کی نگاہ
گر گئے طاقوں سے بت خم ہوگئی پشت گناہ
چرخ سے آنے لگی پیہم صدائے لاالہ
ناز سے کج ہوگئی آدم کے ماتھے پر کلاہ
آتے ہی ساقی کے، ساغر آگیا، خم آگیا
رحمت یزداں کے ہونٹوں پر تبسم آگیا

آگیا، جس کا نہیں ہے کوئی ثانی، وہ رسولؐ
روحِ فطرت پر ہے جس کی حکمرانی وہ رسولؐ
جس کا ہر تیور ہے حکم آسمانی، وہ رسولؐ
موت کو جس نے بنایا زندگانی وہ رسولؐ
محفل سفاکی و وحشت کو برہم کر دیا
جس نے خوں آشام تلواروں کو مرہم کر دیا

فقر کو جس کے تھی حاصل کج کلاہی، وہ رسولؐ
گلہ بانوں کو عطا کی جس نے شاہی، وہ رسولؐ
زندگی بھر جو رہا بن کر سپاہی، وہ رسولؐ
جس کی ہر اک سانس قانونِ الٰہی، وہ رسولؐ
جس نے قلب تیرگی سے نور پیدا کر دیا
جس کی جاں بخشی نے مردوں کو مسیحا کر دیا

واہ کیا کہنا ترا اے آخری پیغامبر
حشر تک طالع رہے گی تیرے جلووں کی سحر
تو نے ثابت کر دیا، اے ہادیِ نوعِ بشر
مردیوں مہریں لگاتے ہیں جبینِ وقت پر
کروٹیں دنیا کی تیرا قصر ڈھا سکتی نہیں
آندھیاں تیرے چراغوں کو بجھا سکتی نہیں

تیری پنہاں قوتوں سے آج بھی دنیا ہے دنگ
کس طرح تو نے مٹایا امتیازِ نسل و رنگ
ڈال دی تو نے بنائے ارتباطِ جام و سنگ
بن گیا دنیا میں "تخئیلِ اخوت" ذوقِ جنگ
تیرگی کو روکشِ مہرِ درخشاں کر دیا
تو نے جس کانٹے کو چمکایا گلستاں کر دیا

یہ مسرت کا محل ہے، اے عزیز کا مگار!
تلخیٔ گفتار، اس موقع پہ ہوگی ناگوار
قہر ہے بزمِ طرب میں نالۂ جانِ فگار
لیکن اس کو کیا کروں دل پر نہیں ہے اختیار
آگ سی روشن ہے اک قلب و جگر کے سامنے
لے کہے دیتا ہوں جو کچھ ہے نظر کے سامنے

اس ترے انبوہ میں اے مسلمِ اندوہ گیں!
دیر سے موجود ہیں خود رحمۃ اللعالمینؐ
زیرِ لب فرما رہے ہیں وائے برجانِ حزیں
کوئی بھی اتنوں میں میرا چاہنے والا نہیں
ذکر دیں ہونٹوں پہ ہے دنیا کی گھاتیں دل میں ہیں
صبحیں چہروں پر ہیں طالع، اور راتیں دل میں ہیں

اے مرے معبود! انہیں محسوس ہو سکتا یہ کاش
شدتِ درماندگی سے، کتنے دل ہیں پاش پاش
آہ کتنوں کو ہے اک روٹی کے ٹکڑے کی تلاش
کتنے معصوموں کے چہروں پر ہے اشکوں سے خراش
شمع کی حاجت نہیں ہے محفلوں کے واسطے
کچھ چراغوں کی ضرورت ہے دلوں کے واسطے

کاش، میرے امتی قرآں کا دفتر دیکھتے
سیرتِ مقداد و سلمان و ابوذر دیکھتے
قصۂ حسنین سنتے ضربِ حیدر دیکھتے
کس طرح مرتے نہیں، یہ بات مر کر دیکھتے
کاش ان کی عقل میں آتا یہ آسانی کے ساتھ
نعمتِ کونین کا رشتہ ہے قربانی کے ساتھ

علم سے ناآشنا محکوم، حاکم سرد و خام
روز و شب آویزشیں ہیں، درمیان خاص و عام
ضابطہ جینے کا ہے، ان میں، نہ مرنے کا نظام
حیف تیری چپقلش پر اے گروہ بے امام
جادہ ہے پر پیچ، منزل کا نشاں، کوئی نہیں
کارواں ہے، اور میر کارواں کوئی نہیں

☆......☆

شمعِ ہدایت

اے کہ ترے جلال سے ہل گئی بزمِ کافری
رعشۂ خوف بن گیا رقصِ بتانِ آذری

خشک عرب کی ریگ سے لہر اٹھی، نیاز کی
قلزمِ نازِ حسن میں، اف رے تری شناوری

اے کہ ترا غبارِ راہ، تابشِ روئے ماہتاب
اے کہ ترا نشانِ پا نازشِ مہرِ خاوری

اے کہ ترے بیان میں، نغمۂ صلح و آشتی
اے کہ ترے سکوت میں، خندۂ بندہ پروری

اے کہ ترے دماغ پر جنبشِ پرتوِ صفا
اے کہ ترے خمیر میں کاوشِ نور گستری

چھین لیں تو نے مجلسِ شرک و خودی سے گرمیاں
ڈال دی تو نے پیکرِ لات و ہبل میں تھرتھری

تیرے قدم پہ جبہ سارِ دم وجم کی نخوتیں
تیرے حضور سجدہ ریز چین و عرب کی خودسری

تیرے سخن سے دب گئے لاف و گزاف کفر کے
تیرے نفس سے بجھ گئی آتشِ سحر سامری

لحن سے تیرے منتظم پست و بلندِ کائنات
ساز سے تیرے منضبط، گردشِ چرخِ چنبری

چینِ ستم سے بے خبر تیری جبین دل کشی
حرفِ وفا سے تابناک تیری بیاضِ دلبری

تیری پیمبری کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے
بخشا گدائے راہ کو تو نے شکوہِ قیصری

بھٹکے ہوؤں پہ کی نظر، رشکِ خضر بنا دیا
راہزنوں کو دی ندا بن گئے شمعِ رہبری

سلجھا ہوا تھا کس قدر تیرا دماغِ حق رسی
پگھلا ہوا تھا کس قدر تیرا دلِ پیمبری

چشمہ ترے بیان کا غارِ حرا کی خامشی
نغمہ ترے سکوت کا نعرۂ فتحِ خیبری

زمزمہ تیرے ساز کا لحنِ بلال حق نوا
صاعقہ تیرے ابر کا لرزشِ روحِ بوذری

آئینہ تیرے خلق کا طبعِ حسنؑ کی سادگی
جذبہ ترے غرور کا آلِ عبا کی برتری

جھلکیاں تیرے نام کی جنبش کا کلِ حسینؑ
رنگ ترے نیاز کا گردشِ چشمِ جعفری

شان ترے ثبات کی عزمِ شہید کربلا
شرح ترے جلال کی ضربتِ دستِ حیدری

رنگ ترے شباب کا جلوۂ اکبرِ قتیل
نقش ترے شکیب کا خونِ گلوئے اصغری

تیرا لباسِ فاخرہ چادرِ کہنہ بتولؑ
تیری غذائے خوش مزا نانِ شعیرِ حیدریؑ

تجھ پہ نثار، جان و دل، مڑ کے ذرا یہ دیکھ لے
دیکھ رہی ہے کس طرح، ہم کو نگاہِ کافری

تیرے گدائے بے نوا، تیرے حضور آئے ہیں
چہروں پہ رنگِ خستگی، سینوں میں دردِ بے پری

آج ہوائے دہر سے ان کے سروں پہ خاک ہے
رکھی تھی جن کے فرق پر تو نے کلاہِ سروری

تیرے فقیر، اور دیں کوچہ کفر میں صدا
تیرے غلام اور کریں اہلِ جفا کی چاکری

طرفِ کلہ میں جن کے تھے لعل و گہر ٹکے ہوئے
حیف اب ان سروں میں ہے دردِ شکستہ خاطری

جتنی بلندیاں تھیں سب ہم سے فلک نے چھین لیں
اب نہ وہ تیغِ غزنوی، اب نہ وہ تاجِ اکبری

اٹھ کے ترے دیار میں پرچمِ کفر کھل گیا
دیر نہ کر کہ پڑ گئی صحنِ حرم میں ابتری

خیزو دلِ شکستہ را دولتِ سوز و سازدہ
مسلمِ خستہ حال را رخصتِ ترکتازدہ

پیغمبرِ اسلام

نگاہ فطرت کی ضو سے یوں تو ہر ایک ذرہ جھلک رہا ہے
ہر ایک قوت ابھر رہی ہے، ہر ایک پودا پھبک رہا ہے

دبے ہیں ذرات کی تہوں میں ہزار اسرار کے خزانے
ازل سے آغوشِ خاروخس میں کھلے ہیں پھولوں کے کارخانے

ہوائے نشو ونما کا جھونکا ہر اک چمن سے گزر رہا ہے
ہر ایک خوشہ ہے محو زینت، ہر اک شگوفہ سنور رہا ہے

ازل کے دن جس طرح ملی تھی جمود کو رخصتِ روانی
مچل رہا ہے رگِ جہاں میں اسی طرح خونِ زندگانی

اگرچہ صدیاں گزر چکی ہیں پڑے ہیں کیا کیا حجاب اب تک
مگر زمانے کے خال وخط سے ٹپک رہا ہے شباب اب تک

ادا سے چلتی ہے گلستانِ جہاں میں بادِ بہار اب بھی
زمانہ ہے رحمتوں کی تازہ نوازشوں سے دوچار اب بھی

جبینِ نیلائے شب ہے روشن روپہلی قندیل سے قمر کی
سنہری کنگن میں ہنس رہی ہے کلائی دوشیزۂ سحر کی

عطا و انعام کے فرشتے یہاں سدا پیش و پس رہے ہیں
زمیں پہ صبحِ ازل سے اب تک کرم کے بادل برس رہے ہیں

مگر یہ سب بے شمار تحفے، زمیں کو فطرت جو بخشتی ہے
کوئی حقیقی ہے ان میں نعمت تو وہ اک آزاد آدمی ہے

وہ آدمی، موجِ زندگی سے نگاہ جس کی دھلی ہوئی ہے
وہ آدمی جس کے ہر نفس میں کتابِ حکمت کھلی ہوئی ہے

وہ آدمی جس کی تیز نظریں، مزاجِ عالم کی رازداں ہیں
وہ آدمی، نبضِ پیچ و تابِ حیات پر جس کی انگلیاں ہیں

وہ آدمی، جس کا جامِ الفت، خنک ستارے پیے ہوئے ہیں
وہ آدمی، گرد و پیش جس کے فرشتے حلقہ کیے ہوئے ہیں

وہ آدمی، جس کے پاک دل میں پیامِ فطرت چھپا ہوا ہے
وہ آدمی، جس کا گرم ناخن ربابِ ہستی کو چھو رہا ہے

وہ آدمی، جو شمیمِ گل سے علوم کے پھول چن رہا ہے
وہ آدمی، جو ہوا کی رو میں خدا کا پیغام سن رہا ہے

اگرچہ نقشِ قدم پر اس کے ازل سے سجدے میں آسماں ہیں
مگر غضب تو یہ ہے جہاں میں اسی سے بے اعتنائیاں ہیں

بہت سے گزرے ہیں یوں تو انساں خرد کی شمعیں جلانے والے
بتوں کی ہیبت اٹھانے والے، خدا کا سکہ بٹھانے والے

مگر عرب کے خموش افق سے کرن وہ پھوٹی رسولؐ بن کر
کہ جتنے ظلمت کے خار و خس تھے دہک اٹھے سرخ پھول بن کر

ابھی تک انکار پر مصر ہے، دماغ مختل ہے کافری کا
نظامِ قدرت سے ہے نمایاں ثبوت اس کی پیمبری کا

کوئی فلاحت کا ہے وہ ماہر؟ کہ یہ حقیقت کرے ہویدا
کہ خار کے تخم نے کیا ہے کئی صدی میں گلاب پیدا

کوئی نظیر اس کی مل سکے گی؟ کہ آگ پانی سے جل سکی ہے
زمین چھٹکا سکی ہے تارے؟ چٹان موتی اُگل سکی ہے؟

کبھی کوئی جنس اپنی ضد کی طرف بتا دو اگر پھری ہے؟
کلی سے شعلے کبھی اٹھے ہیں، شرر سے شبنم کبھی گری ہے

دیارِ باطل کے کارواں کو سراغ دین و ملل ملا ہے
کلی کو خشکی کا بیج بو کر کبھی سمندر کا پھل ملا ہے؟

سرشت جو خشت کی نہ سمجھے، مزاج جو سنگ کا نہ جانے
زبان اس کی سنا سکے گی ستون و محراب کے فسانے؟

وہ خفتہ معمار، جو نہ جانے کہ فنِ تعمیر کیا بلا ہے
محل کا کیا ذکر، اک گھروندا بھی زندگی میں بنا سکا ہے؟

بنا سکے گا بھی وہ اگر کچھ، نہ رہ سکے گا نشان اس کا
رہے گا مٹی کا ڈھیر ہو کر ضرور اک دن مکان اس کا

اسی طرح وہ، جو دوسروں کی بہارِ حکمت کا خوشہ چیں ہے
اسی طرح وہ جو کہہ رہا ہے "نبی ہوں" لیکن نبی نہیں ہے

وہ ایک پودا ہے باغِ عالم میں جو مسلسل نہ پھل سکے گا
کبھی اس آشفتہ سر کا مذہب جہاں میں صدیوں نہ چل سکے گا

بھلا یہ ممکن ہے کذب پر ہو مدار اک دینِ مستقل کا؟
گراں بہا وقت کی جبیں پر نشاں وہ اک پائے مضمحل کا

دروغ، اور یہ فروغ پائے دلوں پہ حاصل ہو بادشاہی!
اور اس کی حقانیت پہ صدیوں کروڑوں انسان دیں گواہی

یہ ہم نے مانا کہ جھوٹ کو بھی فروغ ہوتا ہے لیکن اتنا
سبک شگوفوں سے چھیڑ کرتا، گزر گیا اک ہوا کا جھونکا

مگر وہ ہستی جو آج لاکھوں خدا کے بندوں کو حرزِ جاں ہے
وہ محض اک شعبدہ ہو ناداں! بتا فراست تری کہاں ہے؟

سراب کو لاکھ کوئی پوجے، پر ایک قطرہ نہ پی سکے گا
یہ یاد رکھو دروغ صدیوں نہ جی سکا ہے، نہ جی سکے گا

خدا کے وہ بے شمار بندے کہ مستحق ہیں نوازشوں کے
رہیں وہ صید زبوں مسلسل ذلیل و ناپاک سازشوں کے!

اگر یہ ہم مان لیں کہ دنیا طلسم خانہ ہے شیطنت کا
مذاق اڑانا پڑے گا ہم کو خدا کے ذوقِ ربوبیت کا

دروغ میں سب سے ہو جو بڑھ کر، وہی خدائی کا رہنما ہے
اگر یہ سچ ہے تو پھر خدا کا جلال محض اک ڈھکوسلا ہے!

سنو کہ جھوٹا کبھی نہ ہوگا جو دل میں رکھتا ہے کوئی جوہر
اگر ہے شک، تو نگاہ ڈالو خصوصیات پیمبری پر

وہ روح، بنیاد کہہ سکیں ہم جسے اک آئینِ مستقل کی
ہمیشہ ڈوبی ہوئی ملے گی خوش گہرائیوں میں دل کی

بقائے انسانیت کی خاطر جو قلب، جویائے راز ہوگا
نظامِ تخلیق و روحِ عالم سے محوِ راز و نیاز ہوگا

وہ پاک ہستی، جو نوعِ انساں کی فکر میں بے قرار ہوگی
بشر کی پنہاں ترین حس سے نگاہ اس کی دوچار ہوگی

سدا منقش ہیں اس کے دل پر عظیم اشکالِ آسمانی
ہمیشہ پیشِ نظر ہے اس کے کشاکشِ مرگ و زندگانی

جلاتا رہتا ہے تازہ شمعیں وہ ہر نفس، بزمِ آب وگل میں!
سوالِ علم و عمل کا شعلہ لرزتا رہتا ہے اس کے دل میں

جو ان حقائق میں غرق ہوگا، بھلا وہ حد سے گزر سکے گا؟
جو رازِ فطرت سے آشنا ہو، وہ جھوٹ برداشت کر سکے گا؟

پس ان دلائل کی روشنی میں ضرور یہ ماننا پڑے گا
کہ ہے پیام خدائے برتر، پیام پیغمبر عرب کا

سنے ہوئے اس پیام حق کو اگرچہ صدیاں گزر چکی ہیں
بہت سی قومیں ابھر کے ڈوبیں، ہزاروں جی جی کے مر چکی ہیں

مگر حروف اسکے ہیں کہ اب تک اسی طرح سے جھلک رہے ہیں
ہر ایک نقطے میں زندگی کے ہزاروں شعلے بھڑک رہے ہیں

کبھی تو کر غور اپنے جی میں کہ اس روش میں یہ بات کیوں ہے
اگر یہ شے عینِ حق نہیں ہے تو پھر یہ رنگِ ثبات کیوں ہے

اگر یہ مصحف نہیں تو ہاتھوں پہ کیوں مشیت لئے ہوئے ہے؟
اگر غلط ہے تو کیا خدا کا جلال سازش کیے ہوئے ہے؟

اگر یہ ہیجان مسئلہ ہے تو زندگی کا یہ جوش کیوں ہے؟
اگر یہ تکذیب کا ہے شایاں، زبانِ فطرت خموش کیوں ہے؟

جو جانچنا ہے تو کیوں نہ پھر ہم ہر ایک پہلو کو دیکھیں بھالیں؟
ثبوت پیغمبری کی خاطر، عرب پر آؤ نگاہ ڈالیں!

عرب، وہ ریگ رواں کا عالم، سراب کی ہولناک دنیا!
وہ سرخ ذرات کا سمندر، تپش کا وہ خوفناک صحرا!

وہ مسندِ بو قبیس و فاراں، وہ مسند و تختِ شاہ خاور
جہان جنگ و جدال و غارت، مقامِ تیغ و سنان و خنجر

حدودِ امن واماں سے باہر، لباس شائستگی سے عاری
گرج سے افلاک زلزلے میں، کڑک سے لرزاں زمین ساری

سفید، اندیشۂ وغا سے، سیاہ گردِ مبارزت سے
برادری سے جہاں کی خارج، الگ شعارِ معاشرت سے

زمینِ فتنہ، دیارِ شورش، مقامِ گریہ، محلِ زاری
نہ علمِ ظاہر، نہ نورِ باطن، نہ حُبِّ انساں، نہ خوفِ باری!

وہ گرم پست و بلند ٹیلے، وہ ہول بادِ سموم و طوفاں
وہ رعبِ جبروتِ شاہ خاور، وہ بخل وامساکِ ابر و باراں

دروں میں وہ ایک دبدبے سے قطارِ اشتر قدم جمائے
ادھر ادھر وہ جبالِ سرکش، غرور سے گردنیں اٹھائے

غضب ہے آبادیوں کے باہر، ادھر دہکتی ہوئی چٹانیں
ستم ہے آبادیوں کے اندر، ادھر کڑکتی ہوئی کمانیں

یہ ملک، اور اک یتیم بچہ، نہ کوئی وارث، نہ کوئی والی
سرھانے اک پیرِ سال خوردہ، اسیرِ صد ضعف و خستہ حالی

نہ باپ سر پر نہ ماں کا سایہ، بلا نصیب و ستم رسیدہ
مقامِ حیرت کا رہنے والا، نہ شاد و فرحاں، نہ آبدیدہ

کتاب سے نابلد، معرا، فیوض تعلیم و تربیت سے
کھلیں جو آنکھیں تو بند پائی مدد کی ہر راہ شش جہت سے

پلا ہو بے باپ کا جو بچہ؟ عرب میں اور پھر اس ابتری سے
اگر پیمبر نہیں، تو واقف ہوا وہ کیونکر پیمبری سے؟

پیام بیگانہ تمدن، بنائے تہذیب ڈالتا ہے؟
دماغ پروردۂ بیاباں، جہاں کو سانچے میں ڈھالتا ہے؟

وہ طفل، پروان جو چڑھا ہو دیارِ اصنام آذری میں
صدائے توحید سے وہ ڈالے شگاف محرابِ کافری میں!

اگر صدا اس نبیؐ امی کی آسمانی صدا نہیں ہے
تو پھر کہاں سے یہ فیض پہنچا؟ جواب اس بات کا نہیں ہے

عرب کے ہیرو، عجم کے سلطاں، نظامِ ارض و سما کے والی
زمیں پہ لطف و کرم کی تو نے عجب بنائے لطیف ڈالی

چلا جو دوشِ صبا پہ تیرا پیام ابر بہار بن کر
تمام باطل کے سنگریزے مہک اٹھے برگ و بار بن کر

مشیتِ ایزدی کے دل سے بنا ہے شاید دماغ تیرا
وگرنہ کیوں طاقِ بادِ صرصر میں جل رہا ہے چراغ تیرا؟

دبے ہیں سینے میں، زندگی کے بہت سے جوہر ابھرنے والے
ادھر بھی ہاں اک نظر خدارا، دلوں کے بیدار کرنے والے

علیؑ

ہزاروں ماہ سال کے مسلسل تجربوں کے بعد، یہ کلیہ قائم کیا گیا ہے کہ علم اور شجاعت، یہ دو ایسے اضداد ہیں، جو کبھی ایک ذات میں جمع نہیں ہو سکتے۔ جس ہات میں تلوار ہوتی ہے، وہ قلم کو اپنی انگلیوں کی گرفت میں نہیں لا سکتا، اور جس ہات میں قلم ہوتا ہے، وہ تلوار نہیں اٹھا سکتا۔ لیکن، انسانی تاریخ میں، علیؑ کا ہات، وہ تنہا جامع اضداد ہات تھا، جو تلوار اور قلم کو، مساوی روانی کے ساتھ چلا سکتا تھا۔

وہ ادیب، شاعر اور مفکر تھے، اور اسی کے دوش بدوش، عدیم النظیر سپاہی بھی۔ وہ صفحۂ قرطاس پر مجسم کلکِ گوہر بار اور میدانِ کارزار میں سراپا شمشیرِ آب دار تھے۔

وہ اس کی پروا نہیں کرتے تھے کہ موت ان پر گرے، یا وہ موت پر۔ ان دونوں کو وہ مساوی طور پر محبوب سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ ان کی نگاہوں نے موت کی پیشانی پر حیاتِ ابدی کا جھومر دیکھ لیا تھا۔ اس کے علاوہ ان کو ایک ایسی جواں بختی و برکت بھی حاصل تھی، جس سے اس دور کا کوئی انسان بہرہ ور نہیں ہوتا تھا، جس نے ان کو اپنے تمام معاصرین پر وہ فوقیت بخش دی تھی، جو آفتاب کو ذرات پر حاصل ہے۔ اور وہ فوقیت یہ تھی کہ انہوں نے جو چہرہ سب سے پہلے، دیکھنے کی طرح، دیکھا وہ محمدؐ کا چہرہ تھا، اور انہوں نے جو آواز، سب سے پہلے، سننے کی طرح سنی وہ محمدؐ کی آواز تھی۔

محمدؐ نے ان کو گودوں میں پالا، اپنی شخصیت کے سانچے میں ڈھالا، اپنے سائے میں پروان چڑھایا، اور وہ ان کے وجود میں اس طرح جذب ہو گئے کہ علیؑ کو اپنے انفاس سے، بوئے محمدؐ آنے لگی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ علیؑ، حق پر اس مضبوطی سے قائم ہو گئے کہ وہ حق کا جسم، حق کی جان، حق کا اعلان اور حق کی آواز بن گئے،

اور یہاں تک کہ حق کو علیؑ اور علیؑ کو حق سے پہچانا جاتا تھا، اور چونکہ بہر آن و بہر نفس حق پر قائم رہنا ایک بہت بڑا خطرناک مرحلہ ہے، اس لئے ان کی زندگی کبھی پنپ نہیں سکی...... دنیا والے ان کی شدت حق پرستی کو برداشت نہیں کر سکے۔

علیؑ کی حق پرستی کی تاب نہ لا کر، مسلمانوں کی ایک جماعت کثیر نے ان سے منہ پھیر لیا تھا، اور یہاں تک کہ انہیں، آخر کار، یہ کہنا پڑا تھا کہ دنیا نے مجھ کو ذلیل کر دیا، ذلیل کر دیا، اور اس قدر کہ میرا اور معاویہ کا تقابل کیا جانے لگا۔

علیؑ کی زندگی، اس کرہ ارض کے تمام عظیم انسانوں کے مانند، محرومی و ناکامی کے سوا، انہیں کوئی اور چیز نہیں دے سکی۔ لیکن جب انہیں قتل کر دیا گیا تو ان کی موت نے، ان کی قبر پر وہ چراغ عظمت جلا دیا، جس سے ان کی زندگی کو محروم کر دیا گیا تھا۔

ان کے کامگار حریف، اپنے تمام کروفر کے ساتھ وقت کے سمندر میں ڈوب چکے ہیں، لیکن ان کی زندگی کی تمام ناکامیوں کے باوجود، ان کا نام، تاریخ انسانیت کی پیشانی پر آج تک دمک رہا ہے، اور وہی لوگ جنہوں نے ان کی طرف سے منہ موڑ لیے تھے، ان کی موت کے بعد، جب کسی بلا میں گرفتار ہو جاتے ہیں، تو "یا علیؑ" کے نعرے لگانے لگتے ہیں۔

اے علیؑ، شرافتِ انسانی، تیرے ان دو اخلاقی معجزوں کو، قیامت تک فراموش نہیں کر سکے گی کہ جب تیرے حریف نے، تیرے منہ پر تھوک دیا تھا، تو نے اس کی جاں بخشی فرما دی تھی، اور موت کے وقت جب تیرے سامنے شربت کا پیالہ پیش کیا گیا تھا، تو نے یہ کہا تھا کہ جب تک میرے قاتل کو شربت نہیں پلایا جائے گا، میں نہیں پیوں گا۔

اے علیؑ، اے میدان جنگ کے سورما رجز خواں، اے منبرِ امن کے شیریں سخن خطیب، اے ایوانِ عدل کے دیدہ ور قاضی، اے کشورِ سیف و قلم کے خدیو کج کلاہ، اے نان جویں کی بے پناہ طاقت کے مظہر، اے زندگی کے معتوب اے موت کے محبوب...... اے، علت العلل کے باب "لاغفور" "لا رحمٰن" اور "لاقھر" اور لاالٰہ ھو" کی سی معنی وخیال انگیز بات کہہ کر، خاموش ہو جانے والے مفکر...... سیف و قلم کا مجرا قبول کر!

نفسِ مطمئنہ

تھے اک ایسے مقام پر حیدر
کہ ہر اک آن جان کا تھا خطر

آپ کو تھی مگر نہ کچھ پروا
آپ پر تھا مگر نہ کوئی اثر

کیا اسے خوف، جو ہو شیرِ خدا
کیا ڈرے جو ہو قاتلِ عنتر

خوف کیا اس کے دل کو توڑ سکے
جس نے توڑا ہو قلعہ خیبر

اس کے سینے میں کیا ہراس آئے
جس کو کہتے ہوں نفسِ پیغمبر

آپ کے ساتھ تھے حسینؑ اس وقت
عرض کی اے امامِ جن و بشر

آپ کو کچھ نہیں خیال اپنا
نہ زرہ ہے، نہ ہاتھ میں ہے سپر

جان جانے کا ہے یہاں ساماں
آپ کو کچھ نہیں ہے فکر مگر

جوشؔ اس شیر نے کہا جو کچھ
قول مبنی تھا یہ محبت پر

ورنہ خدشہ کجا حسینؑ کجا
کربلا کے تو یاد ہیں منظر؟

خیر جملہ تھا یہ تو معترضہ
پھر اسی سمت آیئے پھر کر

ختم تقریر جب حسینؑ نے کی
ہنس کے کہنے لگے شہ صفدرؑ

نازِ پروردۂ خدا و رسولؐ
موت کو جانتا ہے فتح و ظفر

اس سے ڈرتا نہیں ہے باپ ترا
موت پر وہ گرے کہ موت اس پر

☆......☆

اے مرتضیٰ

اے مرتضیٰ، مدینۂ علمِ خدا کے باب!
اسرارِ حق ہیں، تیری نگاہوں پہ بے نقاب
ہے تیری چشمِ فیض سے اسلام کامیاب
ہر سانس ہے مکارمِ اخلاق کا شباب
نقشِ سجود میں، وہ ترے سوز و ساز ہے
فرشِ حرم کو، جس کی تجلی پہ ناز ہے

اے نورِ سرمدی سے، درخشاں ترا چراغ
مہکے ہوئے ہیں، تیرے نفس سے دلوں کے باغ
حاصل ہے ماسوئی سے تجھے کس قدر فراغ
تو معرفت کا دل ہے، تو حکمت کا ہے دماغ
تیرے حضور دفترِ قدرت لیے ہوئے
قدسی کھڑے ہیں شمعِ امامت لیے ہوئے

آئینِ رزم و بزم کی ہے تجھ سے آبرو
ہر بات بر محل ہے، مناسب ہر ایک خو
سختی کہیں رجز کی، کہیں نرم گفتگو
برسا رہا ہے پھول کہیں، اور کہیں لہو
لوحِ ادب کلک، نسیمِ بہار ہے
میدان میں جھلکتی ہوئی ذوالفقار ہے

ہے تیری شان، قلعہ خیبر سے آشکار
رحلت کی شب رسول کے بستر سے آشکار
خونِ گلوئے مرحب و عنتر سے آشکار
گردوں پہ جبرئیل کے شہپر سے آشکار
چرچا یہاں بھی، تیغ کا تیری، وہاں بھی ہے
رطب اللساں زمیں ہی نہیں، آسماں بھی ہے

اے مرتضیٰ! امامِ زماں، شیر کردگار
عرفاں کی سلطنت میں نہیں تجھ سا تاجدار
تیری ادائے حرب کا اللہ رے وقار
اک ضرب پر عبادتِ ثقلین ہو نثار!!
تو خندہ زن ہے فتنۂ بدر و حنین پر
پیغمبری کو ناز ہے تیرے حسینؑ پر

اے تیری فکر، روح دو عالم سے ہم کلام
اے تیری ذات، قوت پیغمبر انام
اے فلسفی پاک دل، اے اولیں امام
تیرے قدم کا دوشِ نبوت پہ ہے مقام
اڑتا ہے تجھ کو دیکھ کے رنگ آفتاب کا
روشن ہے تجھ سے طور رسالت مآب کا

خطروں سے ہو سکا نہ کبھی دل میں تو ملول
کانٹوں کو تیرے عزم نے سمجھا ہمیشہ پھول
ہجرت کی شب ملا جو تجھے بسترِ رسولؐ
کیا نفسِ مطمئن تھا کہ ہنس کر کیا قبول
ایمائے ایزدی کی ادا بھا گئی تجھے
پر ہول خواب گاہ میں نیند آ گئی تجھے

اے جوشؔ! دیکھ سیرت مولائے شیخ و شاب
ہر فعل بے نظیر ہے، ہر قول لاجواب
یاں جنبشِ نظر سے ہے گردش میں آفتاب
سن گوشِ حق نیوش سے اک قولِ بو تراب
یہ قول ہے کلید درِ کائنات کی
یعنی اجل ہے خود ہی محافظ حیات کی

دنیا کنیز اس کی ہے، سمجھا یہ جس نے راز
کس نیند میں ہے امت شاہنشہ حجاز؟
ٹھنڈی پڑی ہے روح میں کیوں آتش گداز؟
کیوں مضمحل ہے دل میں شجاعت کا سوز و ساز؟
جب مرگ، زندگی کی حفاظت کا نام ہے
اے اہل دہر! موت سے ڈرنا حرام ہے

☆......☆

نعرۂ مستانہ

سازِ ولا پہ کون غزل خواں ہے یا علی
ہر ذرہ کائنات کا رقصاں ہے یا علی

تیری ہر ایک سانس تری ہر نگاہ میں
گنج حدیث، دولتِ قرآں ہے یا علی

تیری تجلیوں کے تموج سے آج بھی
اس تیرہ خاکداں میں چراغاں ہے یا علی

اب بھی ترے حسینؑ کے گل رنگ خون سے
یہ خار زارِ دہر گلستاں ہے یا علی

اب بھی ترے چراغ کے انوار غیب سے
ہر شامِ تیرہ صبح درخشاں ہے یا علی

تیرے جمالِ اکبرؑ و قاسمؑ سے یہ زمیں
بازارِ مصر و گوشہ کنعاں ہے یا علی

جو آندھیوں کی زد پہ جلی تھی لب فرات
اس وقت بھی وہ شمع فروزاں ہے یا علی

جس پیاس نے بجھائی تھی ایماں کی تشنگی
وہ پیاس اب بھی چشمۂ حیواں ہے یا علی

شکرِ خدا کہ سروِ گلستانِ فاطمہ
اس جادۂ نفس پہ خراماں ہے یا علی

ہاں تیرا نام، تیرا تصور، ترا خیال
افسانہ حیات کا عنواں ہے یا علی

تجھ سے نہ کیوں ہو لرزہ براندام اہرمن
تو خلوتی حضرتِ یزداں ہے یا علی

محرابِ آب و رنگ میں تیری زبان کا
اک ایک حرف لولوء و مرجاں ہے یا علی

تو جس کا ناخدا ہو وہ خس کا سفینہ بھی
فراں روائے کشورِ طوفاں ہے یا علی

تیری وہ شان ہے کہ ترا ہر گدائے راہ
سلطانِ عصر و خسرو دوراں ہے یا علی

جس خاک پر رمائے ہیں دھونی ترے فقیر
وہ خاک رشکِ تختِ سلیماں ہے یا علی

تیرا وجود اشارہ سوئے وجہ ذوالجلال
تو مشعلِ حریمِ رگِ جاں ہے یا علی

تیرے نقوش فکر سے زلف حیات پر
تابندگی موجۂ افشاں ہے یا علی

رنگِ شگاف کعبہ و چینِ قبائے حور
کس کا یہ حسن چاک گریباں ہے یا علی

غلطاں ہے دل میں یوں تری ساقی گری کا رنگ
ہر جادہ کوئے بادہ فروشاں ہے یا علی

کہتا ہوا یہ ناز سے کوثر پر آؤں گا
فدوی امیرِ بادہ پرستاں ہے یا علی

تیری نسیمِ فیض کی موجِ لطیف میں
نازِ خرامِ ابر بہاراں ہے یا علی

بندے کو تیرے عشق نے بخشی ہے وہ نگاہ
کونین زیرِ جنبشِ مژگاں یا ہے علی

تیرا ہی یہ کرم ہے کہ یہ جوشِ وہم سوز
اس کفر پر بھی مشعلِ ایماں ہے یا علی

☆......☆

میں حیدری ہوں حیدری

ہاں میں ہوں، میرِ زندگی، دارائے ملکِ شاعری
غلطیدہ چرخِ دین پہ میرا سحابِ کافری
میری حریمِ طبع میں رقصاں بتانِ آذری
لیکن بہ ایں عز و شرف دل ہے رہینِ قنبری
میں حیدری ہوں، حیدری
میں حیدری ہوں، حیدری

مجھ سے دو عالم ضوفشاں، مجھ پر دو عالم منجلی
ظاہر میں رندِ بادہ کش، باطن میں درویش و ولی
میری ردائے فقر میں بوئے حسینؓ ابن علی
گفتار میں کافر گری، افکار میں پیغمبری
میں حیدری ہوں حیدری
میں حیدری ہوں حیدری

پر تو ہے ابر قبلہ کا مجھ رندِ صہبا نوش پر
زلفِ عروسِ رنگ و بو، غلطاں ہے میری دوش پر
قربان میری دلق کے، صدقے مرے پاپوش پر
چینِ قبائے گل رخاں، طرف کلاہِ قیصری
میں حیدری ہوں حیدری
میں حیدری ہوں حیدری

کاندھے پہ لہرائے لوا انسان کے اقبال کا
بے خوف و بے بیم ورجا، بے پیش و پس، بے دغدغا
جب بامِ گردوں پر گیا میں یا علیؓ کہتا ہوا
ذوقِ تواضع بن گیا، نازو غرورِ داوری
میں حیدری ہوں حیدری
میں حیدری ہوں حیدری

ہاں زندگی کی ''منقبت'' میری روش، میرا چلن
فرشِ مبیں کی ''نعت'' سے گوہر فشاں میرا دہن
انسانیت کی ''حمد'' میں ڈوبا ہوا میرا سخن
شبیریت کی مدح میں انسانیت کی برتری

میں حیدری ہوں حیدری
میں حیدری ہوں حیدری

میں محرمِ نازِ بتاں، میں خلوتیِ مہ رخاں
میں واضعِ قانونِ گل، میں ناسخِ شرعِ خزاں
میں ناظمِ شہرِ طرب، میں نائبِ پیرِ مغاں،
میری طریقت ہاؤ ہو، میری شریعت کوثری

میں حیدری ہوں حیدری
میں حیدری ہوں حیدری

عالم تھا یہ جنگاہ میں شبیر کی للکار سے
آتی تھی شیروں کی صدا اس گنبدِ دوار سے
اب تک حسینی وار سے، چلتی ہوئی تلوار سے
تلوار کی جھنکار سے لرزاں ہے چرخِ چنبری

میں حیدری ہوں حیدری
میں حیدری ہوں حیدری

اے مہر اوجِ کربلا، اے ماہِ چرخِ درد و غم
اے قبلہ اربابِ حق، اے کعبہ اہلِ ہمم
اے شاہدِ رنگیں قبا، اے کشتہ رسمِ ستم
بسیار خوباں دیدہ ام، لیکن تو چیزے دیگری

میں حیدری ہوں حیدری
میں حیدری ہوں حیدری

☆......☆

طلوعِ فکر

جب چہرۂ افق سے اٹھی سرمئی نقاب
کانپے نجوم زرد ہوا روئے ماہتاب
کھنکے فلک کے جام، کھلے سرخیوں کے باب
اڑنے لگا عبیر، برسنے لگی شراب
رنگوں کی آب و تاب چرانے لگی فضا
آہستگی سے ہوش میں آنے لگی فضا

چونکی زمیں، تبسمِ پنہاں لیے ہوئے
افسانہ شباب کا عنواں لیے ہوئے
روئے خنک پہ رنگِ شبستاں لیے ہوئے
آنکھوں کے جھٹ پٹے میں چراغاں لیے ہوئے
تاروں کی چھاؤں جذب کیے بھیروں اٹھی
گویا بڑی لٹک سے کوئی نازنیں اٹھی

گردوں سیاہ ابر کے پارے لیے ہوئے
پاروں کی جھلملی میں شرارے لیے ہوئے
کاجل میں، انکھڑیوں کے اشارے لیے ہوئے
چلمن میں بادلے کے کنارے لیے ہوئے
طوفان بادلے میں عجب پیچ و تاب کے
اور موجِ پیچ و تاب میں، تختے گلاب کے

بے چین ظلمتوں میں بہکتی ہوئی فضا
نوکار ضو کی سر سے ڈھلکتی ہوئی ردا
کہرے کی وادیوں سے جھلکتی ہوئی ضیاء
جس طور سے کہ بھاپ کی چادر میں آئینا
گویا نقاب، جلوۂ جاناں لیے ہوئے
یا شمع ہے کوئی تہ داماں لیے ہوئے

نو خاستہ فضاؤں میں اک طرفہ پیش و پس
بجتا ہوا ندی میں ملائم نوا جرس
گھلتی ہوئی زمیں کی کمانی بہ ہر نفس
شب نم کے آب و رنگ میں پچھلے پہر کا رس
گل چہرہ پتیوں پہ نگینے جڑے ہوئے
گوش چمن میں اوس کے بندے پڑے ہوئے

ہلتی سی ٹہنیوں میں، زرا فشاں سے برگ و بار
اٹھتی سی چلمنوں سے جھلکتا سا روئے یار
جنباں سی تیرگی میں، سلونے سے مرغزار
رقصاں سی روشنی میں، سہانا سا روزگار
دن ہے کہ رات، ایک تزلزل سا رائے میں
طفلی کا اضطراب جوانی کے سائے میں

گردوں اِدھر طلائی تو، اُس سمت نقرئی
یہ پارہ سردئی ہے تو وہ پارہ سرمئی
اک گوشہ کہتئی ہے تو اک گوشہ پستئی
مغرب جو اگرئی ہے تو مشرق ہے چمپئی
کانٹے پہ دل بری کے فضائیں تلی ہوئی
تا دور زلف و رخ کی دکانیں کھلی ہوئی

سوئے افق بڑھی جو ٹھٹکتی ہوئی ضیا
دوشیزۂ فضا کی مسکنے لگی قبا
آہستگی سے مہر تنک ضو ابھر چلا
بجنے لگا خیال میں سونے کا دائرا
برسا گلال ذہن پہ، کندن خیال پر
نوبت بجی منارہ ذوقِ جمال پر

کچھ ملگجے سے نور میں سرخی گندھی ہوئی
تھرا کے آسماں سے زمیں پر مچل گئی
پودوں نے سر اٹھائے گلستاں نے سانس لی
سبزے پہ کسمسائی سیہ چشم روشنی
ہر پنکھڑی میں دفتر افسانہ کھل گیا
دوشِ فضا پہ ایک صنم خانہ کھل گیا

بڑھنے لگا شکوہ سے پھر کندنی طبق
رہ رہ کے کروٹیں سی بدلنے لگی شفق
کھلنے لگا فضائے خنک پر نشانِ حق
گردوں، کتاب زر کے الٹنے لگا ورق
موتی گرے زمین پہ شاخیں لچک گئیں
بوسے لیے صبا نے تو کلیاں چٹک گئیں

دل نے نوید آمد فصل بہار دی
موجِ صبا نے دعوتِ چنگ و ستار دی
انوار نے وہ کسوتِ نقش و نگار دی
سلمے کی آسماں نے ڈلائی اتار دی
بالائے چرخ، صبح کا تارا چمک اٹھا
جیسے کسی بلاق کا موتی جھلک اٹھا

خورشید کی جبیں جو ذرا سی چمک گئی
لیلائے تیرگی کی کلائی مڑک گئی
پھر ایک ضو جو درزِ شفق سے جھلک گئی
گویا شراب تند سے مینا درک گئی
بنت عنب نے ہنس کے جو گھونگھٹ اٹھا دیا
مشرق نے اک شراب کا دریا بہا دیا

منہ گلستاں میں لیلئ شب کا اتر گیا
بھونرا فضائے باغ سے پرواز کر گیا
ہمکی زمین، سطح سے بستاں ابھر گیا
بہر نظارہ، وقت گریزاں ٹھہر گیا
آیا جو لالہ زار میں جھونکا نسیم کا
اترا غنودہ گنج میں ڈولا شمیم کا

پھوٹی کرن، زمیں کی گھٹن دور ہوگئی
شبنم کی بوند بوند خمِ نور ہوگئی
دنیا تمام جلوہ گہہ طور ہوگئی
ہر پنکھڑی جوان ہوئی حور ہوگئی
تابش، نویدِ شرح، پئے صدر ہوگئی
گویا جہاں میں صبحِ شب قدر ہوگئی

ٹھنڈی ہوا دلوں کو جگاتی ہوئی چلی
پچھلے پہر کے گیت سناتی ہوئی چلی
ہر خوابگاہ ناز میں گاتی ہوئی چلی
مکھڑوں پہ کاکلوں کو ہلاتی ہوئی چلی
دودِ چراغ کشتہ کی زلفیں بکھر گئیں
غرفے ملے بھوؤں کی کمانیں اتر گئیں

چونکے نگار، ذہن میں جیسے کوئی قیاس
ناشستہ عارضوں میں لیے صبح کی مٹھاس
پنڈوں کی گرم بھاپ میں بسی گلوں کی باس
آنکھوں کے رنگ رنگ میں خوابوں کا انعکاس
خوابوں کا انعکاس کہانی لیے ہوئے
انگڑائیوں میں کیف جوانی لیے ہوئے

بجتی ہوئی ہواؤں میں بھیگے ہوئے بدن
آنکھوں میں فرشِ خواب کی غلطیدہ بر شکن
ڈوروں کی سرخیوں میں یم بادہ موج زن
چہروں پہ اینڈ اینڈ کے سونے کا بانکپن
روندے ہوئے تمام دوشالے پڑے ہوئے
ٹوٹے ہوئے زمین پہ مالے پڑے ہوئے

ڈوبے لٹوں کے سائے جبینوں کے ماہ میں
جیسے یقین کش مکشِ اشتباہ میں
راتوں کے پینگ سایۂ زلفِ سیاہ میں
بوجھی نہ جائے جو، وہ پہیلی نگاہ میں
لب، طعنہ زن، مہارتِ بربط نواز پر
مکھڑے، وہ گیت بج نہیں سکتے جو ساز پر

اعضاء کے پیچ و تاب میں خوابِ گراں کی رو
انفاسِ مشک بار میں سوزِ نہاں کی رو
رنگیں لبوں پہ آتش آبِ مغاں کی رو
آنکھوں کی سطحِ سرخ پہ اک داستاں کی رو
غلطیدہ فصلِ گل کی گھٹا چشم ناز میں
رودادِ شب تموج زلفِ دراز میں

انگڑائیاں جو آئیں تو آنکھیں جھلک گئیں
رگ رگ میں ولولوں کی کمانیں کڑک گئیں
رخسار پر شباب کی کلیاں چٹک گئیں
جو چوڑیاں خموش پڑی تھیں کھنک گئیں
موباف میں اسیر شب تار ہوگئی
جوڑا بندھا تو صبح نمودار ہوگئی

موج نسیم، تان اڑاتی ہوئی چلی
مرغانِ خوش نوا کو جگاتی ہوئی چلی
پتلی کمر کا لوچ دکھاتی ہوئی چلی
زریں چھڑا کڑے سے، بجاتی ہوئی چلی
کروٹ فضا پہ لی چمن روزگار نے
گل ہنس پڑے، نقاب الٹ دی بہار نے

گھر سے چلے تو گھر گئے کرنوں میں سیم تن
سونا ہوا شباب کی چاندی پہ ضوفگن
گرمی سے بڑھ گئی لب و رخسار کی پھبن
ہیرے کی تختیوں پہ مچلنے لگی کرن
چہروں کی آب و تاب، جنوں خیز روپ میں
یا چاندنی کھلی ہوئی تو عمر دھوپ میں

الوان کا جلوس چلا کوہسار سے
جھانکا کسی نے گوشۂ سرو چنار سے
آنے لگی ہوائے فسوں لالہ زار سے
اٹھنے لگی دھوئیں کی گھٹا جوئے بار سے
آگے بڑھے تو نور کی فوجیں ٹھٹک گئیں
گویا ہوا یہ سیکڑوں پلکیں جھپک گئیں

چھلکی، بڑی روانہ ہوئی نور کی سپاہ
دھکے کلس، اٹھائی درو بام نے نگاہ
ماتھے پہ آسمان کے کج ہوگئی کلاہ
رکھ لی فضا نے سرخ شلوکے میں قرصِ ماہ
سبزے کی روح مست ہوئی جھومنے لگی
شبنم کے موتیوں کو کرن چومنے لگی

چلنے لگیں ہوائیں، چہکنے لگے طیور
رنگیں بلندیوں پہ پھنکا ولولوں کا صور
ذرات کی جبیں سے ابلنے لگا سرور
پر پھڑپھڑائے جاگ اٹھا خاک کا غرور
جھونکوں نے حوصلوں کو چڑھایا جو سان پر
اڑنے لگا زمیں کا طبق آسمان پر

صحرا و دشت و وادی و گلزار، گل چکاں
گنگ و ترنگ و رنگ گہر بار و مے فشاں
دراج و کبک و قمری و طاؤس نغمہ خواں
ملاح و موج و قلزم و کشتی، رواں دواں
ساحل کے موڑ سرخ کمانیں لیے ہوئے
موجیں تمام منہ میں زبانیں لیے ہوئے

اوجِ فضا پہ رایتِ زرتار گاڑ کر
نکلی ضیا افق کا گریبان پھاڑ کر
ذرے بسائے خاک نے تارے اجاڑ کر
انگڑائی لی حیات نے افشاں کو جھاڑ کر
مستی چھٹی، لبوں کی چمک، دور تک گئی
کنگن گھما دیا تو کلائی دمک گئی

ابٹن ہوا کی موج پہ گلزار نے ملا
کنگنا کلائی میں جو بندھا، کھل گئی فضا
کنجوں کو دھوپ چھاؤں کا جوڑا عطا ہوا
بدھی پڑی گلے میں تو گلزار جھوم اٹھا
اترا گلاب و قند، جماد و نبات پر
سہرا بندھا جبینِ عروسِ حیات پر

جلوؤں کا سیل سوئے گل و یاسمن مڑا
ضو کا جلوس جانب گنگ و جمن مڑا
ذروں کی سمت ناقۂ لعل یمن مڑا
دریائے سوء ظن طرف حسن ظن مڑا
لے نے کیا سنگار، ترانوں کی چھاؤں میں
گھنگرو بندھے نگار خوشی کے پاؤں میں

سرخی بڑھی فضاؤں پہ تابندگی کے ساتھ
تابندگی، جمال کی رخشندگی کے ساتھ
رخشندگی، شمیم کی بافندگی کے ساتھ
بافندگی، رباب و دفِ زندگی کے ساتھ
اور زندگی، تصورِ مطلق لیے ہوئے
انفاس میں خروشِ اناالحق لیے ہوئے

ڈھو میں لیے زمیں کی طرف سرخوشی چلی
احساس کی ترنگ سوئے بے حسی چلی
غفلت کی سمت از سر نو آگہی چلی
سونے کا تھال سر پہ لیے زندگی چلی
سارنگیاں چھڑیں چمن روزگار میں
"حق برہ" کی گونج اٹھی لالہ زار میں

نازل ہوئے دلوں پہ بلوریں تصورات
پائی خیام ذہن نے زربفت کی قنات
کولے پہ ہاتھ رکھ کے تھرکنے لگی حیات
چومک لیے ہوئے حرکت کی چلی برات
خورشید کے ورود سے گلزار جاگ اٹھا
یوسف جو آئے مصر کا بازار جاگ اٹھا

یونہیں، فرازِ روح پہ ابھرا اک آفتاب
دیں کا نشاں، خرد کا علم، آگہی کا باب
حق ساز و حق نواز و حق آواز و حق مآب
مقصودِ عرش، مورثِ افلاک، بو ترابؑ
عرفانِ زندگی کا علم کھولتا ہوا
بندِ قبائے لوح و قلم کھولتا ہوا

پیدا ہوا سرودِ ازل سلسبیل میں
اتری شعاع، سینۂ فکرِ جمیل میں
روشن ہوئے چراغ دیارِ خلیل میں
جنبش ہوئی دوبارہ پرِ جبرئیل میں
چھٹنے لگی شعاع تفکر کے باب سے
پھوٹی کرن جبینِ رسالتؐ مآب سے

نکھرا ادب، خیال کو حاصل ہوئی زباں
دمکی جبینِ حرف پہ معنی کی کہکشاں
چھلکیں شرابِ نغمۂ حق کی گلابیاں
داؤدیت نے پیش کیا تاج زرفشاں
یوسف بڑھے جمالِ فراواں لیے ہوئے
پریاں در آئیں، تختِ سلیماں لیے ہوئے

لفظوں کی موج رنگ میں غلطاں ہوئے گہر
لہجے کی آب جو میں چلی کشتی قمر
نوک قلم سے علم کی، طالع ہوئی سحر
اور پھر سحر کی چھوٹ پڑی ذوالفقار پر
بالائے ذوالفقار، علم جگمگا اٹھا
اور ضو فشاں علم پہ قلم جگمگا اٹھا

گھومی کلیدِ فضل، کھلا قفل فیض عام
ناگاہ آسمان پہ گونجا زمیں کا نام
گردش میں آئے نعرہ صل علیٰ کے جام
پڑھتے ہوئے درود بڑھے انبیاء تمام
کعبے کے گرد ایک کرن گھومنے لگی
روحِ محمدؐ عربی جھومنے لگی

شب ہائے این وآں میں ہوئی صبح منجلی
باد مراد ناز سے، مچلی گلی گلی
عرفان کائنات کی چٹکی کلی کلی
اور روح ارتقاء نے پکارا کہ اے علیؑ
لے یہ کلید علم، یہ گیتی کا باب ہے
اس خاک کو ابھار کہ تو بو تراب ہے

اٹھ اور جلا چراغ سر بزم آب و گل
لا خشکیوں کو کھینچ کے، چشموں کے متصل
چونکا انہیں جو خاک کے ارماں ہیں مضمحل
سینے میں اس زمیں کے دھڑکتا نہیں ہے دل
ڈوبی ہوئی ہے نبض جہان علیل کی
پیدا کر اس جمود میں رو سلسبیل کی

اے خاتم پیمبر آفاق کے نگیں
اے کار ساز نور و کلاہ سرِ یقیں
اس بات کو زمیں پہ کوئی جانتا نہیں
یعنی خدا سی چیز بھی موجود ہے کہیں
کوئی زمیں پہ تُو ہے، نہ ضو آسمان پر
بنیادِ اعتقاد رکھ اپنی زبان پر

انکارِ کبریا کے براہین ہیں طویل
اور دین کے خلاف ہے دنیا کا ہر وکیل
نقاش و نقش و صانع و مصنوع کی دلیل
اس دور میں ثبوت خدا کی نہیں کفیل
ہاں بابِ امن کھول، درِ فتنہ بند کر
ہاتوں پہ ناطقے کے خدا کو بلند کر

ہاں، شمعِ ذات، خیمۂ الفاظ میں جلا
لیلائے حق کو محملِ تقریر میں بٹھا
گوشِ بشر کو چشمِ حقیقت نگر بنا
کانوں سے لوگ دیکھ سکیں جلوہ خدا
تیرے بیاں پہ غلغلہ اٹھے درود کا
یوں پیش کر ثبوت خدا کے وجود کا

وحدت کے باب میں نہ اگر کد کرے گا تو
پائے گا کبریا کا تصور نہ آبرو
فکرِ بشر نماز پڑھے گی بلا وضو
تایومِ دیں صمد میں رہے گی صنم کی بو
لپٹا ہوا تفنن وہم و قیاس میں
دائم خدا رہے گا بشر کے لباس میں

چمکے گا تیری فکر سے ہر گوشۂ جمال
لائے گا تو خیال کے موسم میں اعتدال
انساں کے ذہن میں ہیں جو اشکال ذوالجلال
اک تو ہی لا سکے گا ان اشکال پہ زوال
یہ تو، کہے گا جلوہ بجز واہمہ نہیں
جو دیکھنے میں آئے، وہ بُت ہے خدا نہیں

دنیا کو تو بتائے گا یہ نکتۂ جمیل
یعنی ازل سے ایک توانائی جلیل
جس کی کوئی نظیر نہ جس کا کوئی عدیل
اس کار گاہ وقت گریزاں کی ہے کفیل
اظلال و انجذاب نہ وہ انعکاس ہے
دنیا سے دور ہے نہ وہ دنیا کے پاس ہے

انسان کے مزاج کی اس میں نہیں ہے بو
وہ کچھ نہیں ہے۔ کچھ بھی نہیں ہے سوائے ہو
وہ شاہ نرم طبع، نہ سلطان تند خو
وہ دل نواز دوست نہ ہمت شکن عدو
وہ پائے بند رسم وفا و جفا نہیں
جذبات جس پہ ٹوٹ پڑیں وہ خدا نہیں

ہاں دن کو تو کرے گا یہ رات سے جدا
وزنی حقیقتوں کو روایات سے جدا
اللہ کو تمام قیاسات سے جدا
اسماء و وصف و سمت و اشارات سے جدا
داغوں سے تو احد کے ورق کو بچائے گا
شخصی تعینات سے حق کو بچائے گا

پرکھے گا تیرا علم ہی اس کائنات کو
جانچے گی تیری عقل ہی خون حیات کو
وہ تو ہے جو کھرچ کے نقوش صفات کو
دیکھے گا اک حکیم کے مانند ذات کو
بے حد کو حبس خانۂ حد سے چھڑوائے گا
تو کبریا کو دامِ عدد سے چھڑوائے گا

اے صدق کے محیط، حقائق کے آبشار
اے حق کے بادشاہ، معارف کے تاجدار
اے علم کے خدیو، تفکر کے شہریار
نوع بشر کو فکر و عمل کی طرف پکار
ہاں، صبح زندگی کی شفق ہے ترا وجود
ایفائے عہد رحمتِ حق ہے ترا وجود

تجھ کو ہے کس قدر ابدیت سے اتصال
تیرا ہر اک دقیقہ دو صد قرن بے مثال
تیری ہر ایک موج نفس میں بصد جمال
رفتار نور کے ہیں پر افشاں ہزار سال
تیرا مقام، دائرہ عزوجل میں ہے
عمر مسیح و خضر، ترے ایک پل میں ہے

جلوت میں بادشاہ ہے خلوت میں تو فقیر
جنگاہ میں جوان، حریم خرد میں پیر
دشت وغا میں طبل، ادب گاہ میں صریر
میدان میں حدید، مقالات میں حریر
سو معجزوں کا عطر ہے تیری حیات میں
اضداد کس قدر ہیں تری ایک ذات میں

مبصرِ ادب، مفسرِ آیاتِ دل نشیں
نقادِ فن، مصورِ اشکال ماؤطیں
میرِ دماغ، محورِ دل، مصدرِ یقیں
دستورِ حق، مبصرِ دنیا، فقیہہِ دیں
نباضِ شرع و زورقِ جیحونِ زندگی
خاقانِ دہر و واضعِ قانونِ زندگی

آبِ مکاں، امام، زماں آیۂ مبیں
کنزِ علوم، کاشفِ سر، کعبۂ یقیں
قاضیِ دہر، قبلۂ دوراں، قوامِ دیں
منشائے عصر، معنیِ کن، میرِ عالمیں
تابندگیِ طرۂ طرفِ کلاہِ علم
مولائے جاں، رسولِ تمدن، الٰہِ علم

آواز، جاں نواز، ترنم، جہاں فروز
تیور، تمام ساز، تکلم، تمام سوز
دانش، مہ دو ہفتہ، نظر مہرِ نیم روز
تقریر، فہم باف، خموشی، خیال دوز
تجھ سے جو آشنا ہے، وہ جوہر شناس ہے
تیری زبان، ذہنِ بشر کا لباس ہے

تیرا سخن، وہ سیلِ جوابات بے مثال
شاداب جس کی موج سے ہر تشنہ لب سوال
تیرا ہر ایک لفظ، دو صد مکتبِ خیال
تیری زباں میں روشنیِ وجہِ ذوالجلال
ہوتا نہ تو تو سان نہ چڑھتی یقین پہ
قرآن کی زبان نہ کھلتی زمین پہ

تو دیکھتا ہے کاہ میں طوفانِ کہکشاں
ذرات بے سواد میں شہروں کے کارواں
تخم تنک وجود میں صحرائے بے کراں
نقطے کی جیب تنگ میں فرہنگ این و آں
کانٹے میں سیل جلوہ گل دیکھتا ہے تو
ہر جزو میں، تجلی کل دیکھتا ہے تو

تجھ سے فروغ کشور دنیا و دیں میں ہے
خم خانہ وجود، ترے ساتگیں میں ہے
دریائے جو دو فضل تری آستیں میں ہے
قرآں ترے خطوطِ جبین مُبیں میں ہے
مرکز ہے تو، زمین یہ حسن قبول کا
تو ہات ہے خدا کا قلم ہے رسول کا

تیرا جمال ہے کہ سرو برگ لالہ زار
تیرا جلال ہے کہ تجلائے ذوالفقار
تیرا دماغ ہے کہ نوید کشود کار
تیری نگاہ ہے کہ شعاع ابد سوار
تیری یہ ضو ہے گنبد لیل و نہار میں
یا حرف کن ہے خاطر پروردگار میں

تیرا وجودِ پاک، نظر گاہِ مہر و ماہ
آنکھیں چراغ کعبہ زباں سازِ لا الہ
نقش قدم، جبین سماوات کی کلاہ
ام الکتاب چہرہ تو حبل متیں نگاہ
شکل بشر میں آیہ صدق و وفا ہے تو
اک ذی نفس دلیل وجود خدا ہے تو

اے رہبرِ خجستہ و اے ہادیِ نکو
عرفاں کا تو شکوہ، رسالت کی آبرو
تو ہی ہے اے مدبرِ دارُ القضائے ہو
تاریخِ روزگار کی دیرینہ آرزو
اُٹھ زندگی کو فکر ہے اپنے علاج کی
حاجت ہے ایک بندہ یزداں مزاج کی

دنیا کی قاہری کا تسلط ہے دین پر
سجین کا قدم ہے سر علیین پر
کانپ اے ابد کے نور شہور وسنین پر
اے آسمانِ رشد اتر آ زمین پر
یوں گوشِ دل میں جذب یہ گفتار ہوگئی
پیدا علی کے ساز میں جھنکار ہوگئی

ناگاہ جھنجھنائے فضا کے تمام تار
بڑھنے لگی شعاع سمٹنے لگا غبار
بہرِ سلام ادب سے جھکا فرقِ روزگار
آواز دی نقیب فلک نے کہ ہوشیار
تھامے رکاب دولتِ دنیا و دیں چلی
سوئے زمیں سواریٔ عرش بریں چلی

چلمن، حریم عالم ارواح کی اُٹھی
نکلی حجاب قدس سے اک زندہ روشنی
ضو بار روح پنجتن پاک ہوگئی
شمع حواس خمسہ آفاق جل اٹھی
تاریکیوں سے روئے زمیں پاک ہوگیا
روشن تمام مطلع ادراک ہوگیا

کعبے سے آفتاب امامت عیاں ہوا
حلال مشکلات رسالت عیاں ہوا
میر نظام شمسی قدرت عیاں ہوا
دارائے کاروبار مشیت عیاں ہوا
خلاقیت کا ذوق سرافراز ہوگیا
اک دور علم و فکر کا آغاز ہوگیا

محراب تیرگی جو ہوئی روشنی سے شق
سلمائے زندگی نے اٹھایا رباب حق
خود سے کتاب علم کے کھلنے لگے ورق
نکلا حریم حرف سے ہر معنی ادق
دور خزاں، چمن سے بفرمان گل گیا
اک مکتب جدید کا دروازہ کھل گیا

جھومی دیار نطق میں ابلاغ کی بہار
لفظوں کے زیر و بم میں چھڑے روح کے ستار
فقروں کی تندرو میں پرافشاں ہوئے شرار
گرنے لگے زمیں پہ ستاروں کے آبشار
لہجے میں ایک نہر سی مواج ہوگئی
لب ہل گئے زبان کی معراج ہوگئی

سینوں میں آگہی کا شرر جگمگا اٹھا
گیتی پہ ماہ علم و ہنر جگمگا اٹھا
گردوں پہ مہر نقد و نظر جگمگا اٹھا
رخسارۂ قضا و قدر جگمگا اٹھا
دوش طرب پہ زلف مشیت بکھر گئی
بکھری، کمر تک آئی، کمر سے گزر گئی

ناقدریٔ کمال کا باطل ہوا اثر
چونکے دماغ، فکر بنی جنس معتبر
بے چارگی کی خشت سے اٹھا سر ہنر
بے مائیگی کی خاک سے ابھری کلاہ زر
ذرات نو دمیدہ کو، چوما نجوم نے
انگڑائی لی فضاؤں پہ قوس علوم نے

یک جا ہوئے تمام براہین منتشر
خلعت ملا دلیل کو، منطق کو چتر زر
اک نقطۂ عظیم پہ قائم ہوئی نظر
معنیٰ ہوئی طویل، مقالات مختصر
فیض نظر سے کھوئی ہوئی شان مل گئی
فکر دقیقہ سنج کو میزان مل گئی

گل ہوگیا زمین پہ، اوہام کا چراغ
تشکیک سے یقین کو حاصل ہوا فراغ
جھوما نسیم عقل سے نوع بشر کا باغ
اترا دماغ دل میں تو دل بن گیا دماغ
اوج خرد پہ صبح کی سرخی عیاں ہوئی
یہ آئے تو حریم نظر میں اذاں ہوئی

سلمائے روزگار کو زریں قبا ملی
انسانیت کو، دولت صد ارتقا ملی
ہنستی ہوئی قدر کے گلے سے قضا ملی
آغوش میں رسول کو اپنی دعا ملی
جیسے ہی نصف نور ملا نصف نور سے
اپنے کو کردگار نے دیکھا غرور سے

منبر پہ آفتاب تکلم عیاں ہوا
موج مئے غدیر لیے، خم عیاں ہوا
دریائے مرحمت میں تلاطم عیاں ہوا
انصاف کے لبوں پہ، تبسم عیاں ہوا
ڈالی نگاہ، فخر سے، دنیا نے، دین پر
قرآن، آسمان سے اترا زمین پر

اسرا کائنات، الٹنے لگے نقاب
تعبیر کے حدود میں آئے زمیں کے خواب
معنی سے روشناس ہوا حرف خاک و آب
ایوان روزگار میں یوں آئے بو تراب
جیسے ورود شبنم تابندہ، پھول پر
گویا نزول وحی، بطون رسولؐ پر

احساس اند فاع کو طبل و علم ملا
قرطاس بے سودا کو زریں قلم ملا
زلف تصورات الوہی کو خم ملا
اللہ کو ثبوت، نبی کو حشم ملا
فیض سخن سے دین کی تکمیل ہوگئی
اجمال ذوالجلال کی تفصیل ہوگئی

لیلائے زندگی کے بجا ہوگئے حواس
پہنا تصورات نے افکار کا لباس
ایوانِ علم و حلم کی محکم ہوئی اساس
پیدا ہوئی زمین پر اک قومِ حق شناس
جس سے بنائے قصر خدا داد پڑ گئی
اک مطمع نگاہ کی بنیاد پڑ گئی

اک مختصر گروہ کے بڑھنے لگے قدم
برہم ہوا مزاجِ سلاطین ذی حشم
پھر بھی دُرونِ لشکرِ اشرار تازہ دم
اعلانِ امرِ حق کے اٹھائے گئے علم
ظلمت کے رہروں کو دکھائے گئے چراغ
صحرا کی آندھیوں میں جلائے گئے چراغ

جس سے اگیں نقوش وہ تصویر بن گئی
تصویر اک شعاعِ جہاں گیر بن گئی
کانپی شعاع، مشرق تنفیر بن گئی
تنفیر، اک رُوات کی زنجیر بن گئی
زنجیر، طاقِ روح کی قندیل ہو گئی
قندیل، قوسِ عرش میں تبدیل ہو گئی

تاباں ہوئے علوم درخشاں ہوئے عقول
روشن ہوا زمینِ تدبر کا عرض و طول
معقولیت کے سر کو ملا افسرِ قبول
شائستہ زندگی کے مرتب ہوئے اصول
جو برقِ طورِ فکر ہے وہ نور مل گیا
دنیائے بے نظام کو دستور مل گیا

محرابِ حق میں روحِ خطابت ہوئی عیاں
جھومیں سروں پہ رشد و ہدایت کی بدلیاں
اٹھی نگاہ، خم ہوئے ابرو، کھلی زباں
دوڑے ہوا پہ تیر، لچکنے لگی کماں
نکلی جو منہ سے بات دلوں میں اتر گئی
ذہنِ گریز پا کی سواری ٹھہر گئی

پیدا ہوئے حدیقۂ ملت میں برگ و بار
زائل ہوا معاشرۂ حق کا انتشار
سیدھی ہوئیں صفیں تو مرتب ہوئی قطار
مضراب اتحاد سے کانپے دلوں کے تار
ماتھے پہ نقش ابروئے پیوستہ بن گیا
یکجا ہوئے نفوس تو گل دستہ بن گیا

پایا حصار فرش نے، عرش بریں کا باب
بیداریوں کی رو سے اٹھے پردہ ہائے خواب
انفاس زندگی کا مرتب ہوا حساب
اک لائحۂ عمل کی مدون ہوئی کتاب
سلمائے زندگی کی تمنا نکل گئی
خاک سیاہ، نور کے سانچے میں ڈھل گئی

اٹھی نگاہ فضل، ہے بارش کمال
دوڑا رخ کلام پہ تخئیل کا جمال
پایا سخن کے جام نے افسردۂ ہلال
برسا ادب کے باغ پہ خورشید کا زلال
بازار آب و رنگ میں فن کار آگئے
شمعیں اٹھائے، ثابت و سیار آگئے

فیض نظر نے، خاک کو بستاں بنا دیا
ہر ریشۂ گیاہ کو، مژگاں بنا دیا
ہر خاور خس کو سنبل و ریحاں بنا دیا
ہر شاخ بے ثمر کو رگ جاں بنا دیا
بے آبرو، زمین کو گلزار کر دیا
تاروں کا رس نچوڑ کے ذروں میں بھر دیا

نکھرے ضمیر، ذہن کو حاصل ہوا سرور
ایوان جاں کے طاق میں چمکا، چراغ طور
الفاظ آسماں کے منور ہوئے قصور
قرآں کے حروف میں داخل ہوا شعور
ذوق سخن کو قوت اعجاز مل گئی
تخئیل کردگار کو آواز مل گئی

بہر سلام، لیلیٰ ارض و سما اٹھی
دیکھا رخ قبول، تڑپ کر دعا اٹھی
چٹکیں فضائیں، نیند سے، ٹھنڈی ہوا اٹھی
قبلے سے جھومتی ہوئی کالی گھٹا اٹھی
کیا رت بفیض قبلہ حاجات آگئی
ساقی! خدا کا شکر، کہ برسات آگئی

برسات، بنت راوی و جمنا و نیل وگنگ
چنگ و سرود و بربط وعود و رباب و چنگ
طنبورہ وربانہ و طاؤس و جل ترنگ
شعر و شراب و شاہد وشہ ناز و رقص و رنگ
برسات کی ہوائے معطر کا واسطہ
میخانہ کھول، ساقی کوثر کا واسطہ

ساقی! ڈٹی ہوئی ہے خرا باتیوں کی صف
پھیلا ہوا ہے ابر گہر بار ہر طرف
بوتل کا کاگ کھول، اٹھا کیف باروف
لا، بادۂ مدینہ و پیمانۂ نجف
تطہیر کی ردا ہے فلک پر تنی ہوئی
دے، دامن رسول خدا کی چھنی ہوئی

ساقی، شگفتہ باد، کہ میخانہ کھل گیا
وہ بدلیاں ہواؤں پہ گرجیں وہ دف بجا
چمکیں وہ بجلیاں وہ پرافشاں ہوئی فضا
وہ لو اٹھی، وہ زمزمہ گونجا وہ کاگ اڑا
فتاح باب منزل و مقصد ہوئی پری
قصر بلور سے وہ برآمد ہوئی پری

ساقی، برس رہی ہے گھٹا بولتی ہوئی
فرش زمیں پہ لعل و گہر رولتی ہوئی
سینوں میں کشتیوں کی طرح ڈولتی ہوئی
بوچھار سے دلوں کی گرہ کھولتی ہوئی
در کھول، قصر بادۂ انساں نواز کا
یہ وقت ہے شگفتن گلہائے ناز کا

گرجا فلک پہ ابر بھرے مغبچوں نے جام
چہروں پہ رنگ مل کے جھلکنے لگے خیام
صل علیٰ کی موج سے گونجے ستون و بام
قدسی تمام دوڑ پڑے، بہر انتظام
محراب حق کا نور نے پردہ اٹھا دیا
سجادہ، آسماں نے زمیں پر بچھا دیا

کیا میکدے کا رتبہ عالی ہے، مرحبا
مسند پہ، انبیا، تو پس خم ملائکہ
شیشوں پہ ہے بخط جواہر لکھا ہوا
بطحا و کاظمین و خراسان و سامرا
محراب پر ہے درج، یہ منزل شرف کی ہے
یہ کربلا کی مے ہے، وہ صہبا نجف کی ہے

غلماں ادب کے ساتھ لیے جامِ زرنگار
رطلِ گراں کے طوف میں، حورانِ گل عذار
خدام کے لباس میں شاہانِ ذی وقار
رندوں کے سر پہ، دامنِ مولائے روزگار
خُمِ آسمان، ساغرِ آبی لیے ہوئے
شانے پہ کائنات، گلابی لیے ہوئے

گونجی ہوئی فضاؤں پہ مستانہ ہاؤ ہو
قُل قُل کی رو میں شعلہ آواز "واشربُوا"
ذروں سے بات چیت، ستاروں سے گفتگو
آواز میں، ولا کے چھلکتے ہوئے سبو
خاصانِ حق، شرابِ مودت پیے ہوئے
سینے تمام، اجرِ رسالت لیے ہوئے

ہر ایک چنگ، نغمۂ افسوں لیے ہوئے
ہر اک امنگ، دولتِ قاروں لیے ہوئے
ہر اک ترنگ، شوخیِ جیحوں لیے ہوئے
ہر ایک رنگ، قامتِ موزوں لیے ہوئے
ہر بار، ایک تان نئی، ٹوٹتی ہوئی
ہر زمزمے سے ایک کرن پھوٹتی ہوئی

شیشوں میں روحِ کاہ کشاں ناچتی ہوئی
سینوں میں برقِ رطلِ گراں ناچتی ہوئی
مسند پہ، صبحِ باغِ جناں ناچتی ہوئی
سازِ بقا پہ عمرِ رواں ناچتی ہوئی
چہروں پہ شام و جام کی سرخی رچی ہوئی
رگ رگ میں ساز و ناز کی دھومیں مچی ہوئی

آنکھوں میں غرفہ ہائے گلستاں کھلے ہوئے
در ہائے قصر دولت ایماں کھلے ہوئے
بند قبائے یوسف کنعاں کھلے ہوئے
خم کے قریب، رحل پہ قرآں کھلے ہوئے
رندان سرفراز پر افشاں، ہواؤں پر
ہاتھوں پہ عرش، فرق سماوات پاؤں پر

غلطیدہ آسماں پہ خمستاں کی روشنی
اور خم کدے پہ عترت و قرآں کی روشنی
قرآن پر، رسولؐ کے داماں کی روشنی
اور چہرۂ رسولؐ پہ، یزداں کی روشنی
یزداں کی روشنی کا تموج، قلوب میں
اک سیل رنگ و نور، شمال و جنوب میں

افسوں بدوش بارگہ آب آتشیں
اک نقطہ طلسم پہ ٹھہری ہوئی زمیں
اور قلب پر محیط، بانداز دل نشیں
ایسی اک آن، وقت کا جس میں گزر نہیں
کثرت نوائے نغمہ وحدت لیے ہوئے
ہر لمحہ، جیب میں ابدیت لیے ہوئے

اللہ ری موج نشہ عالی کی سروری
ساقی! کچھ اور گھوم گیا چرخ چنبری
گونجی بلندیوں پہ وہ آواز قنبری
ہاں اور سوئے خم وہ مزا عکس بوذری
ہاں ہاں، اسی روش سے چلے دور ساقیا
وہ موج سلسبیل اٹھی، اور ساقیا

بدلا وہ دیکھ منظر و موسم کا انتظام
پل بھر میں، نور صبح تو پل بھر میں رنگ شام
ایک آن میں فضاؤں پہ مہر جواں خرام
ایک آن میں فراز پہ، ماہ شگفتہ گام
کیا شوخیاں ہیں عالم راز و نیاز کی
پسلی پھڑک رہی ہے نشیب و فراز کی

صل علیٰ، فضائیں قمر بار و درفشاں
گل ریز و مشک ریز و جنوں خیز و مے چکاں
جھونکے فسانہ بار، ہوائیں ترانہ خواں
ترکان شوخ، قوس کے پل پر رواں دواں
صہبائے مشک بار سے روحیں دھلی ہوئی
لیلائے عرش و فرش کی زلفیں کھلی ہوئی

ساقی، ہمیشہ یاد رہے گا یہ اہتمام
قصر حواس کے ہیں درخشاں ستون و بام
قدموں پہ میرے لوٹ رہا ہے مہ تمام
بس، اب نہ دے شراب کہ یہ بار ہواں ہے جام
اس وقت دل کی جوت جگائے ہوئے ہوں میں
پلکوں پر اس کرے کو اٹھائے ہوئے ہوں میں

مینا کے سر پہ، دیکھ، وہ منبر عیاں ہوا
منبر پہ نور ساقی کوثر عیاں ہوا
کانپا عرض، ہواؤں پہ جوہر عیاں ہوا
وہ آفتاب طلعت حیدر عیاں ہوا
پڑنے لگا فضا پہ وہ پرتو بتول کا
اڑنے لگا فلک پہ وہ دامن رسولؐ کا

دمکا وہ آسماں، وہ فروزاں ہوئی زمیں
وہ خاتم جہاں کا درخشاں ہوا نگیں
چمکی فراز حق پہ وہ سبطین کی جبیں
لو دے اٹھا وہ ناصیہ ختم مرسلیں
وہ آل مصطفےٰ کی سواری عیاں ہوئی
وہ روح کربلا کی عماری عیاں ہوئی

عباس کے شباب نے زلفیں وہ کھول دیں
اکبر کی وہ فضا پہ مسیں بھیگنے لگیں
وہ باوجود شیب، بانداز دل نشیں
الٹی حبیب ابن مظاہر نے آستیں
موج ہوا پہ غرفۂ تیغ دو دم کھلا
وہ سطوت حسینؑ کا زریں علم کھلا

طوفان میں وہ کشتی ایماں رواں ہوئی
قلزم میں، روح بحر شکن پر فشاں ہوئی
امواج سے وہ چادر زینب عیاں ہوئی
وہ باد باں سے، وہ بھنور میں اذاں ہوئی
برپا دیار سیل میں کہرام ہوگیا
طوفاں، وہ دیکھ، لرزہ براندام ہوگیا

موج ہوا، ترانۂ تہلیل ہوگئی
کونین، زیر شہپر جبریل ہوگئی
احکام ذوالجلال کی تعمیل ہوگئی
منشائے کردگار کی تکمیل ہوگئی
انساں کی عظمتوں کے دفینے ابھر گئے
وہ دیکھ، زندگی کے سفینے ابھر گئے

ایوانِ سلطنت کے وہ در غرق ہو گئے
جن میں ہوا بھری تھی وہ سر غرق ہو گئے
وہ قصر ہائے لعل و گہر غرق ہو گئے
اٹھی لہو کی موج، بھنور غرق ہو گئے
چمکے علم، وہ گنبدِ بدر و حنین پر
دمکا وہ تاجِ فتح، جبینِ حسین پر

پھر موج اک اٹھی وہ بطِ مے میں ساقیا
جاگا خروشِ فتح ہر اک نے میں ساقیا
لپٹی ضیائے کون و مکاں لے میں ساقیا
وہ پو پھٹی فضائے رگ و پے میں ساقیا
گونجی صدائے نغمہ، دلِ کائنات میں
شہنائیاں بجیں وہ حریمِ حیات میں

لے، وہ نجف کی سمت سے آنے لگی صدا
اے جوشؔ نکتہ سنج مری انجمن میں آ
آ، اور جھوم جھوم کے نغماتِ نو سنا
ساقی! مرا سلامِ ادب لے کہ میں چلا
مولائے کائنات اور آواز دے مجھے
اے جبرئیل! قوتِ پرواز دے مجھے

☆......☆

منظور ہے خدا کو تو پہنچوں گا روزِ حشر
چہرے پہ خاک مل کے درِ بوتراب کی

ساونتوں کی پنڈلیاں کانپنے لگتی ہیں، وہ موت، منہ کھولے، جب حسینؑ کے سامنے آئی تو حسینؑ اس کو دیکھ کر، ایسی حقارت کے ساتھ مسکرائے کہ خود موت کی نبضیں ساقط ہو کر رہ گئیں۔

سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہے کہ اس وقت بھی جب کہ تیروں کا موسلا دھار مینہ برس رہا تھا اور حسینؑ اپنے رفیقوں اور جگر گوشوں کی لاشیں، میدان سے اٹھا اٹھا کر، بار بار خیمے کی طرف جا رہے تھے۔ اور اس سے زیادہ حیرت یہ ہے کہ جب ان کے تمام انصار و اقرباء موت کی نیند سو چکے تھے اور ان کا قتل ایک یقینی امر بن چکا تھا عین اس نازک ترین، اور مہلک لمحہ میں بھی ان کے حواس بجا تھے، اور ایک بہادر سپاہی کا حوصلہ مندانہ تبسم ان کے لبوں پر کھیل رہا تھا...... اور یہ دیکھ کر کہ ہیبت باطل سے حق کا چہرہ سفید ہو چلا ہے وہ اس پر سرخی دوڑانے کے لیے، بڑے اطمینان کے ساتھ، اپنا خون روانہ کر رہے تھے۔ صرف یہی نہیں کہ اس یقینی ہلاکت کے موقع پر ان کے حواس بجا تھے، بلکہ تاریخ انسانی کی سب سے بڑی قربانی دے چکنے کے بعد بھی، ان کے چہرے پر اس فخر و مباہات کی ایک ایسی معمولی سی دھاری بھی رونما نہیں ہوئی تھی، اور ان کی زبان سے ایک ایسا آدھا لفظ بھی ادا نہیں ہوا تھا جس سے پتہ چلتا کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ اہل اسلام میں نے غیرت اسلام کے آفتاب کو ڈوبنے سے بچا کر تم پر احسان کیا ہے، اور میں نے اپنے واسطے یہ حق خرید لیا ہے کہ تم مجھ کو ایثار کا دیوتا سمجھ کر، میرے سامنے اپنی گردنیں جھکا لو۔

اے حسینؑ ...... اے دریائے زہر سے، آب حیات پینے والے...... اے بپھرے طوفان کو، اپنے سفینے میں ڈبو دینے والے...... اے حریم شہادت کے، سب سے اونچے منارے، اے ہمت مردانہ کے اوتار، اور اے ثبات و عزم کے پروردگار...... ازل سے لے کر ابد تک کے، انسانیت کا، غلامانہ سلام قبول کر!

فیضانِ حسینؑ

قمیصِ یوسف و خونِ حسین آئینہ ہے جس کا
ہماری خاک میں ہے وہ مذاقِ رنگ و بواب بھی

کہاں ہے سوزن و مقراضِ خیاطانِ ذی ہمت
تمدن ہے رہینِ کاوشِ چاک و رفواب بھی

چھڑی تھی درمیانِ حق و باطل جو سرِ مقتل
وقارِ لہجہ تاریخ ہے وہ گفتگو اب بھی

بہا تھا جو زمینِ کربلا کے تشنہ ذروں پر
سحابِ گلستانِ زندگی ہے وہ لہو اب بھی

ہوئی اک عمر ساقی کو حجابِ قدس میں پہنچے
بساطِ رنگ پر ہے دور میں لیکن سبواب بھی

یزیدی میکدے میں دیر سے اک ہو کا عالم ہے
حسینی خم کدے میں ہے خروشِ ہاؤ ہو اب بھی

محفل باطل میں حق کی داستاں کہتا ہوا
سرخ ذروں پر جوانوں کا لہو بہتا ہوا

قلب اعداء پر حسین ابن علی کا رعب و داب
قطرۂ بے مایۂ شبنم پہ گویا آفتاب

رسم و راہِ حق سے ربط، آئین باطل سے عناد
عہد جاں بازی، سر مردانگی، عزم جہاد

شوق آزادی، خیال سر فروشی، ذوق مرگ
یہ تھے انصار حسین ابن علی کے ساز و برگ

تم بھی ہو منجملہ انصار شاہ کربلا
سچ کہو، ان میں سے تم کو کیا وراثت میں ملا؟

چند اشکوں کے لطائف، چند شیون کے نکات؟
کیوں یہی لے دے کے ہے یارو! تمہاری کائنات؟

اے عزیزو! اس بلا کی بے حسی کا کیا علاج
چند آہیں، اور وہ بھی بستۂ رسم و رواج

ہاں ازل سے ہے یہ تقسیم وراثت کا اصول
مرد کو دیتے ہیں شعلوں کی لپک، عورت کو پھول

مرد کو ملتی ہے ترکے میں جھلکتی ذوالفقار
عورتوں کو شاخ گل کا لوچ، شبنم کا نکھار

مرد کو ہوتا ہے حاصل فاتحانہ قہقہہ
عورتوں کو ہچکیوں کی گونج، شیون کی صدا

اے کہ تم پوشاکِ حربی کے عوض پہنے ہو "گون"
دل میں خود سوچو، تم اس تقسیم سے ہوتے ہو کون؟

خیر اب تک جو بھی ہونا تھا عزیزو ہو چکا
لیکن اب حق اہل جرأت کو یہ دیتا ہے صدا

جذبۂ مردانگی سے روٹھ کر ہنتا ہے کون؟
حاملِ عزمِ شہید کربلا بنتا ہے کون؟

ناؤ اپنی خون کے دریا میں کھینے کے لیے
کون بڑھتا ہے علی کی تیغ لینے کے لیے

آج وہ ساونت آئے سامنے، جس کا شباب
دے سکے شیبِ حبیب ابن مظاہر کا جواب

کون ہے تم میں سے عبدِ خاصِ ربِ مشرقین
کس کی نبضوں کو عطا ہو آتشِ خونِ حسینؑ؟

کون خوں اپنا بہا سکتا ہے پانی کی طرح؟
کون مٹ سکتا ہے اکبر کی جوانی کی طرح؟

کون سینے میں جلاتا ہے چراغ احساس کا!
کون کاندھے پر اٹھاتا ہے علم عباس کا؟

ہوشیار، اے ساکت و خاموش کوفے! ہوشیار
آ رہے ہیں دیکھ وہ اعدا قطار اندر قطار
ہونے والی ہے کشاکش درمیان نور و ناز
اپنے وعدوں پر پہاڑوں کی طرح رہ استوار
صبح قبضہ کر کے رہتی ہے اندھیری رات پر
جو بہادر ہیں، اڑے رہتے ہیں اپنی بات پر

لو کے جھکڑ چل رہے ہیں، غیظ میں ہے آفتاب
سرخ ذروں کا سمندر کھا رہا ہے پیچ و تاب
تشنگی، گرمی تلاطم، آگ، وحشت، اضطراب
کیوں مسلمانو! یہ منزل، اور آل بو تراب
کس خطا پر تم نے بدلے ان سے گن گن کے لیے
فاطمہ نے ان کو پالا تھا اسی دن کے لیے؟

لو وہ مقتل کا سماں ہے، وہ حریفوں کی قطار
بہ رہی ہے نہر، لو وہ سامنے بیگانہ وار
وہ ہوا اسلام کا سرتاج مرکب پر سوار
دھوپ میں وہ برق سی چمکی، وہ نکلی ذوالفقار
آ گئی رن میں اجل، تیغ دو دم تولے ہوئے
جانب اعدا بڑھا دوزخ وہ منہ کھولے ہوئے

دور تک ہلنے لگی گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمیں
کوہ تھرانے لگے، تیورا گئی، فوج لعیں
زد پر آ کر کوئی بچ جائے، نہیں، ممکن نہیں
لو حسین ابن علی نے وہ چڑھا لی آستیں
آستیں چڑھتے ہی خون ہاشمی گرما گیا
ناخدا! ہشیار، دریا میں تلاطم آ گیا

ظہر کے ہنگام، کچھ جھکنے لگا جب آفتاب
ذوقِ طاقت نے دلِ مولیٰ میں کھایا پیچ و تاب
آ کے خیمے سے کسی نے دوڑ کر تھامی رکاب
ہوگئی بزمِ رسالت میں امامت بار یاب
تشنہ لب ذروں پہ خونِ مشکبو بہنے لگا
خاک پر اسلام کے دل کا لہو بہنے لگا

آفریں چشم و چراغ دودمانِ مصطفیٰؐ
آفریں صد آفریں و مرحبا صد مرحبا
مرتبہ انسان کا تو نے دو بالا کر دیا
جان دے کر، اہلِ دل کو تو سبق یہ دے گیا
کشتیِ ایماں کو خونِ دل میں کھینا چاہیے
حق پہ جب آنچ آئے تو یوں جان دینا چاہیے

اے محیطِ کربلا! اے ارضِ بے آب و گیاہ
جراتِ مردانۂ شبیر کی رہنا گواہ!
حشر تک گونجیں گے تجھ میں نعرہ ہائے لا الہ
کج رہے گی فخر سے فرقِ رسالت پر کلاہ
یہ شہادت اک سبق ہے حق پرستی کے لیے
اک ستونِ روشنی ہے بحرِ ہستی کے لیے

تم سے کچھ کہنا ہے اب اے سوگوارانِ حسینؑ
یاد بھی ہے تم کو تعلیمِ امامِ مشرقین؟
تا کجا بھولے رہو گے غزوۂ بدر و حنین؟
کب تک آخر ذاکروں کے تاجرانہ شور و شین؟
ذاکروں نے موت کے سانچے میں دل ڈھالے نہیں
یہ شہیدِ کربلا کے جاننے والے نہیں

[illegible]

اے مومنانِ لکھنؤ

[illegible]

آج پھر شاعر کی آنکھوں سے ٹپکتا ہے لہو
اے محبانِ علی، اے مومنانِ لکھنؤ

یہ نہیں کہتا کہ شاہنشاہ پر تم روئے کیوں
آنسوؤں سے نامہ اعمال تم نے دھوئے کیوں

دل پہ حالت کیوں ہوئی طاری غم آور توم کی
چوڑیاں کیوں کی گئیں ٹھنڈی عروس قوم کی

سخت حیراں ہوں مگر اے امتِ بدر و حنین
دنیوی تصویرِ غم کا شیشہ ہو خونِ حسین

پختگی ایماں کی ہو مجروح، وہمِ خام سے
خون کی بوندیں ٹپکتی ہیں دلِ اسلام سے

رفعتیں بخشتی ہیں جس کی گنبدِ افلاک کو
تاج کا سایہ پڑے اس کربلا کی خاک پر

حق پرستوں کی طرف سے اور یہ توہینِ حق
غیرتِ ملت کے ماتھے سے ٹپکتا ہے عرق

منبرِ سبطِ نبی پر اور سیاسی شور و شین
مجھ سے آنکھیں تو ملاؤ سوگوارانِ حسینؑ

دین بھی اب کانپتا ہے عسکری قانون سے
تیغ کا پانی ہے بھاری کربلا کے خون سے

☆......☆

ذاکر سے خطاب

ہوشیار اے ذاکرِ افسردہ فطرت! ہوشیار
مردِ حق اندیشہ، اور باطل سے ہو زار و نزار
ضعف کا احساس، اور مومن کو، یہ کیا خلفشار
لافتیٰ اِلّا علی، لاسیف اِلّا ذوالفقار
جو حسینی ہے، کسی قوت سے ڈر سکتا نہیں
موت سے ٹکرا کے بھی ساونت مر سکتا نہیں

تو نہیں روحِ شہید کربلا سے بہرہ مند
تیرے شانوں پر تو زلفِ بزدلی کی ہے کمند
سخت استعجاب ہے اے پیشہ ور ماتم پسند
پیروِ ضیغم کے سینے میں ہو قلبِ گوسفند
ننگ کا موجب ہے یہ اہلِ وفا کے واسطے
یوں نہ ماتم کر شہید کربلا کے واسطے

مانع شیون نہیں میرا پیام مستقل
گریہ فطری شے ہے دشمن پر بھی بھر آتا ہے دل
دل نہیں پتھر ہے، مولیٰ پر نہ ہو جو مضمحل
گریۂ مومن سے ہے تزئینِ بزمِ آب و گل
کون کہتا ہے کہ دل کے حق میں غم اچھا نہیں
پھر بھی شغلِ گریہ نصب العین بن سکتا نہیں

ہاں میں واقف ہوں کہ آنسو ہے وہ تیغ آبدار
سنگ و آہن میں اتر جاتی ہے جس کی نرم دھار
ہے مگر مردانگی کو ان خنک اشکوں سے عار
جن کے سینوں میں نہ غلطاں ہوں شجاعت کے شرار
اشک بے سوزِ دروں پانی ہے، ایماں کی قسم
قلبِ شبنم پر شعاعِ مہرِ تاباں کی قسم

سوچ تو اے ذاکرِ افسردہ طبع و نرم خو
آہ تو نیلام کرتا ہے شہیدوں کا لہو
تاجرانہ مشق ہے مجلس میں تیری ہاؤ ہو
فیس کا دریوزہ ہے منبر پہ تیری گفتگو
عالمِ اخلاق کو زیر و زبر کرتا ہے تو
خونِ اہل بیت میں لقمے کو تر کرتا ہے تو

حرص نے تجھ کو سکھایا ہے دنأت کا سبق
کربلا کے ذکر میں لیتا نہیں کیوں نام حق
چشمۂ دولت ہے تیرا سیل اشک بے قلق
خون کی چادر سے سونے کے بناتا ہے ورق
خانۂ برباد ہے دولت سرا تیرے لیے
اک دفینہ ہے زمینِ کربلا تیرے لیے

کیا بتاؤں، کیا تصور تو نے پیدا کر دیا
غیرت حق کو بھلایا حق کو رسوا کر دیا
کربلا و خون مولا کو تماشا کر دیا
"آب رکنا باذ" وبستان "مصلے" کردیا
مشقِ گریہ، عیش کی تمہید ہے تیرے لیے
عشرۂ ماہِ محرم، عید ہے تیرے لیے

سوچ تو کچھ جی میں اے مشتاقِ راہِ مستقیم
مومنوں کے دل ہوں اور واماندہ امید و بیم
شدت آہ و بکا سے دل ہوں سینوں میں دو نیم
کیوں، یہی لے دے کے تھا کیا مقصدِ ذبحِ عظیم
خوف ہے قربانیٔ اعظم نظر سے گر نہ جائے
ابن حیدر کے لہو پر، دیکھ، پانی پھر نہ جائے

ساز عشرت ہے تجھے ذکر امام مشرقین
ڈھالتا ہے تیرے سکے، بستگان غم کا بین
تیری دارالضرب ہے اہل عزا کا شور و شین
سر جھکا لے شرم سے اے تاجرِ خونِ حسینؓ
ذہن میں آتا ہے جس کا نام تلواروں کے ساتھ
اس کا ماتم اور ہوسکوں کی جھنکاروں کے ساتھ

غم کے سکے، بہر زرتا کے بٹھائے جائیں گے؟
کب تک آخر ہم پئے عشرت رلائے جائیں گے؟
دام پر تا چند یوں دانے گرائے جائیں گے؟
آنسوؤں سے تا کجا "موتی" بنائے جائیں گے؟
بہر لقمہ تابہ کے منبر پہ منہ کھولے گا تو؟
تا کجا پانی کے کانٹے پر لہو تولے گا تو؟

کربلا میں اور تجھ میں اتنا بُعد المشرقین
اُس طرف شور رجز خوانی، ادھر لے دے کے بین
اُس طرف تکبیر، ادھر ہنگامہ ہائے شور و شین
اس طرف اشکوں کا پانی اس طرف خونِ حسینؑ
وہ تھے کس منزل میں، اور تو کونسی منزل میں ہے
شرم سے گڑ جا، اگر احساس تیرے دل میں ہے

کربلا سے واقفیت بھی ہے مرد منفعل؟
کربلا در پردہ بشاش، اور بظاہر مضمحل
جس کی رفعت سے بلندی آسمانوں کی خجل؟
جسکے ذروں میں دھڑکتے ہیں جوانمردوں کے دل
خندہ زن ہے جس کی رفعت گنبدِ افلاک پر
مُہرِ تکمیلِ نبوت ثبت ہے جس خاک پر

جسکے ہر ذرے میں غلطاں ہیں ہزاروں آفتاب
خار کی نبضوں میں جاری ہے جہاں خون گلاب
جس کے خار و خس میں ہے خوشبوئے آل بوتراب
کربلا! تاریخِ عالم میں نہیں تیرا جواب
کربلا تو آج بھی قائم ہے اپنی بات پر
مہراب بھی سجدہ کرتا ہے ترے ذرات پر

اے چراغ دودمانِ مصطفیٰ کی خواب گاہ
تیرے خار و خس پہ ہے تابندہ خون بے گناہ
تیری جانب اٹھ رہی ہے اب بھی یزداں کی نگاہ
آ رہی ہے ذرے ذرے سے صدائے لا الہ
اے زمیں خوش ہو کہ تیری زیب و زینت ہے حسینؑ
تیرے سناٹے میں محو خواب راحت ہے حسینؑ

جو دہکتی آگ کے شعلوں پہ سویا، وہ حسینؑ
جس نے اپنے خون سے عالم کو دھویا وہ حسینؑ
جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا، وہ حسینؑ
جس نے سب کچھ کھو کے پھر کچھ بھی نہ کھویا وہ حسینؑ
جو محافظ تھا خدا کے آخری پیغام کا
جس کی نبضوں میں مچلتا تھا لہو اسلام کا

ہنس کے جس نے پی لیا جام شہادت وہ حسینؑ
مر گیا، لیکن نہ کی فاسق کی بیعت، وہ حسینؑ
ہے رسالت کی سپر جس کی امامت، وہ حسینؑ
جس نے رکھ لی نوع انسانی کی عزت وہ حسینؑ
وہ کہ سوز غم کو، سانچے میں خوشی کے ڈھال کر
مسکرایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

اے حسینؑ! اب بھی گل افشاں ہے تری ہمت کا باغ
آندھیوں سے لڑ رہا ہے آج بھی تیرا چراغ
تو نے دھو ڈالے جبینِ ملتِ بیضا کے داغ
تیرے دل کے سامنے لرزاں ہے باطل کا دماغ
فخر کا دل میں دریچہ باز کرنا چاہیے
جس کا تو آقا ہو، اس کو ناز کرنا چاہیے

کھول آنکھیں اے اسیرِ کاکل زشت و نکو
آہ کن موہوم موجوں پر بہا جاتا ہے تو
ختم ہے آنسو بہانے ہی پہ تیری آرزو
اور شہید کربلا نے تو بہایا تھا لہو
ہات ہے ماتم میں تیرا سینۂ افگار پر
اور حسینؑ ابن علیؑ کا ہاتھ تھا تلوار پر

تھیں بہتر خوں چکاں تیغیں حسینی فوج کی
اور صرف اک سیدِ سجادؑ کی زنجیر تھی
اتنی تیغوں کی رہی دل میں نہ تیرے یاد بھی
حافظے میں صرف اک زنجیر باقی رہ گئی
ذہن کو بیچارگی سے انس پیدا ہوگیا
اشجعِ عالم کے پیرو! یہ تجھے کیا ہوگیا

آہ تو اور سازِ برگِ عافیت کا اہتمام
کیوں نہیں کہتا کہ باطل کی حکومت ہے حرام
تجھ کو اور زنداں کا ڈر، کیوں اے غلامِ ننگ و نام
جانتا ہے رہ چکے ہیں قید میں کتنے امام
تو مثالِ اہلِ بیتِ پاک مر سکتا نہیں
عشق کا دعویٰ ہے اور تقلید کر سکتا نہیں

دیکھ مجھ کو دیکھ میں ہوں ایک رندِ بادہ خوار
رسمِ تقویٰ ہی سے واقف ہوں، نہ طاعت سے دوچار
سر پہ ہے شملہ، نہ کاندھے پر عبائے زرنگار
موت کو لیکن سمجھتا ہوں، حیاتِ پائیدار؟
رسم و راہ زہد و تقویٰ کو سبک کرتا ہے تو
قتل سے ڈرتا نہیں میں، قید سے ڈرتا ہے تو

خوف کا جن ہے زمانے سے ترے سر پر سوار
خوف ہے اک نامبارک طائرِ مردار خوار
باغ وبستاں سے نہیں ہوتی، نظر جس کی دوچار
روز و شب لاشوں پہ منڈلاتا ہے جو دیوانہ وار
تیرے سر پر اس کا منڈلانا تماشا تو نہیں؟
غور کر تو اک عفونت خیز لاشا تو نہیں؟

خلق میں محشر بپا ہے اور تو مصروف خواب
خون میں ذلت کی موجیں کھا رہی ہیں پیچ و تاب
تیری غیرت کو خبر بھی ہے، کہ دشمن کا عتاب
تیری ماں بہنوں کی راہوں پر الٹتا ہے نقاب
اب تو زخمی شیر کی صورت بپھرنا چاہیے
یہ اگر ہمت نہیں، تو ڈوب مرنا چاہیے

دیکھ تو کتنی مکدر ہے، فضائے روزگار
کس طرح چھایا ہوا ہے، حق پہ باطل کا غبار
بزمِ یزدانی میں، روحِ اہرمن ہے گرم کار
میان سے باہر ابل پڑ، اے علیؑ کی ذوالفقار
نقشِ حق کو اب بھی او غافل! جلی کرتا نہیں
اب بھی تقلیدِ حسینؑ ابن علیؑ کرتا نہیں!

☆......☆

متولیانِ وقفِ حُسین آباد سے خطاب

سن سکو تو چند نالے ہیں دلِ ناشاد کے
اے گرامی ممبرو! وقفِ حسین آباد کے

مشعلوں کی جگمگاہٹ کی ہوا کرتی ہے ''شو''
ہر محرم کی نویں اور آٹھویں تاریخ کو

وہ اداس اور تشنہ دو راتیں سرِ جوئے فرات
جن کے سناٹے کے اندر گم تھی روحِ کائنات

جن کی رو میں درہم و برہم تھا دنیا کا نظام
جن کی خاموشی میں غلطاں تھا شہادت کا پیام

جن کی ہلچل سے تلاطم تھا دلِ آفاق میں
جھلملائی تھی وفا کی شمع جن کے طاق میں

☆ لکھنؤ میں وقفِ حُسین آباد ایک شاہی وقف ہے، جس کے فیوض متولی حسین آباد اور آصف الدولہ بہادر کے مقبروں میں محرم کی آٹھویں اور نویں کو بہت بڑے پیانے پر چراغاں کا اہتمام کرتے ہیں۔ محرم اور چراغاں!!! آٹھویں کے چراغاں کی یہ ایک شرمناک وغلامانہ خصوصیت ہے کہ اس شب کا ''کھیل تماشا'' صرف ''صاحب لوگوں'' کے لیے مخصوص ہوتا ہے، جو اپنے اپنے محبوبوں کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ادھر سے ادھر قہقہے مارتے پھرتے ہیں۔ اس دن کسی ہندوستانی کو امام باڑوں میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہے، صرف بعض ممتاز ہندوستانیوں کو پاسوں سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ البتہ صرف ہندوستانی اس شرط پر داخل ہو سکتے ہیں کہ وہ اپنے ہندوستانی لباس کو ترک کر کے انگریزی لباس میں آئیں۔ (جوشؔ)

جن کی ظلمت کو منور کر رہے تھے دل کے داغ
گل ہوا تھا جن کی آندھی میں مدینے کا چراغ

پرفشاں تھے جن کے سنّاٹے جرس کے واسطے
تم نے ان راتوں کو چھانٹا ہے ہوس کے واسطے

مشعلوں میں جس جگہ خونِ شہیداں کا ہو رنگ
سیر کرنے کو بلائے جائیں واں اہلِ فرنگ

کیا حمیت ہے کہ اپنوں کے لیے ہو روک تھام
روپ میں بھی غیر کے آئے کوئی تو اذنِ عام

یہ تملق، یہ خوشامد، یہ زبوں اندیشیاں
غم کدہ مسلم کا ہو نصرانیوں کا بوستاں

دیدۂ ناہید ہو جس بزم میں افسانہ گو
اس جگہ دی جائے دعوت چشمکِ مریخ کو

داغہائے دل میں کھولا جائے میخانے کا باب
قہقہے ہوں آنسوؤں کی انجمن میں باریاب

بزمِ عصمت میں، سر آنکھوں پر لیا جائے گناہ
مقبرے کو اور بنائے آسماں تفریح گاہ

دعوتِ حرف و حکایت، زلزلے کی رات میں
منعقد ہو جشن، اشکوں کی بھری برسات میں

بامِ شیون پر کھلے موجِ تبسم کا علم
خون کے قطروں پہ اور اربابِ عشرت کے قدم

کشتیِ صہبا چلے اہلِ وفا کے خون میں
آخری ہچکی بھری جائے گراموفون میں

لشکرِ شادی سے روندی جائے غم خانے کی خاک
غازۂ خوباں بنائی جائے پروانے کی خاک

چنگ و بربط کا تسلط ہو دیارِ آہ میں
اہلِ ماتم لاش کو رکھیں نمائش گاہ میں

دیدۂ عشرت اٹھے صد پارہ لاشا دیکھنے
ہنسنے والے آئیں رونے کا تماشا دیکھنے

جوئے خوں، اور اس پہ تیراکی کا میلہ، الحذر
غیرتِ اسلام! تجھ کو کھا گئی کس کی نظر؟

روحِ مومن کو عطا، بارِ خدا! ادراک ہو
یہ نہیں تو صور پھنک جائے کہ قصہ پاک ہو!

☆......☆

عبادت

عبادت کرتے ہیں جو لوگ جنت کی تمنا میں
عبادت تو نہیں ہے، اک طرح کی وہ "تجارت" ہے

جو ڈر کر نارِ دوزخ سے خدا کا نام لیتے ہیں
عبادت کیا وہ خالی بزدلانہ ایک خدمت ہے

مگر جب شکرِ نعمت میں جبیں جھکتی ہے بندے کی
وہ "سچی بندگی" ہے، اک شریفانہ اطاعت ہے

☆......☆

اے خدا

اے خدا سینۂ مسلم کو عطا ہو وہ گداز
تھا کبھی حمزہؓ و حیدرؓ کا جو سرمایۂ ناز
پھر فضا میں تری تکبیر کی گونجے آواز
پھر اس انجام کو دے گرمی روحِ آغاز
نقشِ اسلام اُبھر جائے، جلی ہو جائے
ہر مسلمان حسینؑ ابن علیؑ ہو جائے

دشتِ اسلام کے کانٹوں کو گلستاں کر دے
پھر ہمیں شیفتۂ جلوۂ ایماں کر دے
دل میں پیدا تپشِ بوذرؓ و سلمانؓ کر دے
اپنے محبوب کی سوگند "مسلماں" کر دے
روکشِ صبح، شبِ تار کا سینہ ہو جائے
آبگینے کو وہ چمکا کہ نگینہ ہو جائے

دے ہمیں بار خدا؟ جرات و ہمت کے صفات
دل کو یوں چھیڑ کہ پھر جاگ اٹھیں احساسات
پھر سے ہوں تازہ رسولِ عربیؐ کے غزوات
درس مومن کو یہ دے موت ہے تکمیل حیات
جادہ پیاؤں کو چھوٹا ہوا صحرا دیدے
قیس کو پھر خلش ناقۂ لیلےٰ دیدے

پھر بہار آئے، مئے ناب پری ہو جائے
پھر جہاں محشر صد جلوہ گری ہو جائے
دے وہ چھینٹے کہ ہر اک شاخ ہری ہو جائے
زور آندھی کا نسیم سحری ہو جائے
طبع افسردہ کو پھر ذوق روانی دے دے
اس زلیخا کو بھی معبود جوانی دے دے

ہم کو سمجھا کہ تلاطم میں ٹھہرنا کیسا؟
نشہ بادہ جرأت کا اترنا کیسا؟
موت کیا شئے ہے، بھلا موت سے ڈرنا کیسا؟
کوئی اس راہ میں مرتا بھی ہے، مرنا کیسا؟
مر کے بھی خون میں یوں موج بقا آتی ہے
کہ اجل سامنے آتے ہوئے شرماتی ہے

صبح اسلام پہ ہے تیرہ شبی کا پرتو
لب مسلم سے ہٹا تشنہ لبی کا پرتو
کانپ کر ماند ہو راحت طلبی کا پرتو
ڈال سینوں میں رسول عربی کا پرتو
غل ہو وہ حوصلۂ شوق دوبارہ نکلا
وہ چمکتا ہوا اسلام کا تارہ نکلا

زندہ کس طور سے رہتے ہیں بتا دے ہم کو
عقل حیراں ہو وہ دیوانہ بنا دے ہم کو
سوئے میخانۂ توحید صدا دے ہم کو
عشق کا ساغر لب ریز پلا دے ہم کو
کج ہوں اُس وقت سر حشر کلاہیں اپنی
جب ملیں ساقی کوثر سے نگاہیں اپنی

کافرِ نعمت مسلمان

(یہ نظم حیدرآباد دکن کی ایک محفل میلاد کے واسطے قلم برداشتہ لکھی گئی تھی)

تم نہ بگڑو، تو میں پوچھوں ڈرتے ڈرتے ایک بات
سچ بتاؤ کون ہے اس وقت ننگ کائنات؟

ہٹ گیا ہے کون ابر زندگی کی چھاؤں سے
کس نے اپنا تاج روندا ہے خود اپنے پاؤں سے؟

اس زمین و آسماں کی شہریاری چھوڑ کر
کون بھاگا ہے غلامی کی طرف منہ موڑ کر؟

صاف کہنا کون ہے ان ذیل کے عیبوں میں طاق؟
کذب، غیبت، افترا، اسراف، بد بینی، نفاق؟

آج کتراتا ہوا وحدانیت کی راہ سے
یہ مرادیں مانگتا ہے کون غیر اللہ سے؟

جھومتا ہے کون قوالوں کے ہر اک بول پر؟
کون یہ عرسوں میں پہروں ناچتا ہے ڈھول پر؟

بن کے "ذاکر" سیم وزر کے ڈھیر پر گرتا ہے کون؟
خون اولاد پیمبر بیچتا پھرتا ہے کون؟

پشت مرکب چھوڑ کر، تکیوں پہ ہے کس کا مدار؟
جنگ کے میداں میں کس نے پھینک دی ہے ذوالفقار؟

حجلۂ عشرت میں کی ہے یوں خدا کی کس نے دیا؟
فربہی کی کشمکش سے کر نہیں سکتا جہاد

کون چلوں کی مشقت سے ہے یوں زار وحزیں؟
ضعف کی شدت سے جو تلوار اٹھا سکتا نہیں

گر گیا ہے آسماں سے کس کا پرچم خاک پر؟
جم گئی ہے برف کس کے شعلہ چالاک پر؟

بن چکا ہے کس کا خودِ آہنی رشک حباب؟
مل چکا ہے کس کے انگاروں کو "شبنم" کا خطاب؟

کون ہیں یہ لوگ کچھ سمجھے بھی اے اطفال دیں؟
مجھ کو تو یہ وہم ہوتا ہے کہیں. تم تو نہیں

تم نہیں، تو پھر یہ جینے کے عوض مرتا ہے کون؟
روز وشب آیات حق سے دل لگی کرتا ہے کون؟

جب یہ عالم ہے تو وابستہ رہو اصنام سے
تم کو پھر کیا واسطہ پیغمبرِ اسلام سے

حق کے دشمن، نفس کے پابند، باطل کے غلام
تم کو کیا حق ہے کہ تم میلاد سے ہو شاد کام

چشتگی سے کام کیا افسردگانِ خام کو
تم نے ٹھکرایا ہے حق کے آخری پیغام کو

کب تلوّن کو پتہ چلتا ہے استقلال کا
زاغ کو حق ہی نہیں بلبل کے استقبال کا

دل میں دم بھر کے لیے للہ سوچو تو ذرا
حق نے تم سے کیا کیا، اور تم نے حق سے کیا کیا؟

حق نے چھیڑا تھا زمیں پر نغمہ ام الکتاب
تم نے برپا کر دیا ہنگامہ چنگ و رباب

حق نے بخشا تھا تمہیں جوش و خروش جوئے آب
بن گئے تم رفتہ رفتہ صرف اک نقش سراب

حق نے تم کو نوعِ انساں کا بنایا تھا امام
بن گئے تم لعنتِ کوتاہ بینی سے غلام

حق نے چھانٹا تھا تمہیں دنیا کی شاہی کے لیے
تم نے پیہم کروٹیں بدلیں تباہی کے لیے

"مومن" و "مسلم" کا بخشا تھا تمھیں اس نے خطاب
"شیعہ" و "سنی" کا نازل کر لیا تم نے عذاب

اس نے رکھا تھا ہتیلی پر تمہاری آفتاب
تم نے پنہاں کر دیا اس کو سحاب اندر سحاب

بندگی اصنام کی ٹھہرائی تھی اس نے حرام
اور تم ہر مقبرے کو جھک کے کرتے ہو سلام

دل میں شرماؤ ذرا یہ کیا غضب کرتے ہو تم
زندگی کا زور، مُردوں سے طلب کرتے ہو تم

مجھ سے آنکھیں تو ملاؤ، نو اسیران نفاق؟
اس مہینے کو سمجھ رکھا ہے تم نے کیا مذاق؟

یہ تو ہے اے ناشناسان عیار کفر و دیں
روح انسانی کی آزادی کا یوم اولیں

ہاں اسی دن، کام لے کر قوت ادراک سے
اک انوکھی بات قدرت نے کہی تھی خاک سے

ہاں اسی دن ہوگیا تھا سنگ حق سے چور چور
آبگینے کی طرح جھوٹے خداؤں کا غرور

ہاں اسی دن قلب انسانی کی جانب دور سے
سر ہوا تھا آخری ناوک کمان نور سے

ہاں اسی دن حق نے بہر رفعت نوع بشر
مہر آخر ثبت کی تھی سرمدی منشور پر

ہاں یہ وہ دن ہے کہ درس حریت دیتی ہوئی
چونک اٹھی تھی زندگی انگڑائیاں لیتی ہوئی

ہاں اسی دن نطق یزداں نے کیا تھا یوں کلام
آج سے منسوخ ہے قانونِ آقاؤ غلام

ہاں اسی دن نے سنایا تھا یہ روحانی پیام
ابن آدم! ماسویٰ اللہ، عبادت ہے حرام

ہاں نہ سمجھے نوع انساں ماسوا کے سامنے
اب جھکے بندہ تو صرف اپنے خدا کے سامنے

مومنو! اسلام کی تائید کی تم کو قسم
بت پرستی چھوڑ دو، توحید کی تم کو قسم

صاحب قرآں بنو، تعلیم قرآں کی قسم
اہرمن سے توڑ دو ہر عہد یزداں کی قسم

شاہ بحر و بر بنو، تخلیق آدم کی قسم
اپنے دل کی قوت تسخیر عالم کی قسم

باندھ لو سر سے کفن، شمشیر عریاں کی قسم
موت کا دھڑکا مٹا دو، آب حیواں کی قسم

اس گریے کے آخری قانون کی تم کو قسم
چونک اٹھو سبط نبی کے خون کی تم کو قسم

سر اٹھاؤ، کشتگان عشق کے سر کی قسم
رن میں آؤ قوت بازوئے حیدر کی قسم

نیند سے بیدار ہو، احساس کامل کی قسم
جاگ اٹھو پیغمبر اسلام کے دل کی قسم

☆......☆

مردِ مسلماں کو کیا ہوا؟

اے دل! جنونِ عشق کے ساماں کو کیا ہوا؟
ہوتا نہیں ہے چاک، گریباں کو کیا ہوا؟

فکرِ سخن کا نور کہاں جا کے چھپ گیا؟
تخئیل کے تبسمِ پنہاں کو کیا ہوا؟

رسمِ وفا کی کاہشِ پیہم کدھر گئی؟
ذوقِ نظر کی کاوشِ پنہاں کو کیا ہوا؟

گلشن ہیں زرد، پھول کہاں جا کے بس گئے؟
کانیں ہیں سرد، لعلِ بدخشاں کو کیا ہوا؟

ہے خاکِ نجد برف میں گویا جھلی ہوئی
اے قیسِ عامری! دلِ سوزاں کو کیا ہوا؟

چھائی ہوئی ہے چہرہ ہستی پہ مردنی
الطافِ خضر و چشمۂ حیواں کو کیا ہوا؟

وہ جوہری رہے، نہ وہ گوہر نظر فریب
بازارِ مصر و یوسفِ کنعاں کو کیا ہوا؟

شاخوں میں وہ لچک ہے، نہ غنچوں میں تازگی
طبعِ نسیم و فطرتِ بستاں کو کیا ہوا؟

اگلی سی وہ چمک نہیں اب آشیاں کے گرد
کنجِ قفس میں مرغِ پر افشاں کو کیا ہوا؟

کب سے ہیں بے نواؤں کے دستِ طلب دراز
اے روحِ فیض! ہمتِ سلطاں کو کیا ہوا؟

ہر اک صدف ہے آنکھ میں آنسو بھرے ہوئے
یارب! نزولِ قطرۂ نیساں کو کیا ہوا؟

آنکھیں ہیں بند، دید کی حسرت پہ کیا بنی؟
دل ہے خجل، تصورِ جاناں کو کیا ہوا؟

موجِ صبا میں اب نہیں انفاسِ عیسوی
گوہر فشانیٔ لبِ خوباں کو کیا ہوا؟

سوئی ہیں ایک عمر سے راتیں شباب کی
بزم آفرینیٔ مہِ تاباں کو کیا ہوا؟

کعبے میں بار پا گئے اصنامِ آذری
کاشانۂ خلیل کے درباں کو کیا ہوا؟

اب آستان کفر پہ ہیں سجدہ ریزیاں
اے کرد گار، مردِ مسلماں کو کیا ہوا؟

سینے میں اس گروہ کے کیوں اڑ رہی ہے خاک
گنجِ حدیث و دولتِ قرآں کو کیا ہوا؟

قبضوں پہ ہاتھ ہیں، نہ جبینیں ہیں خاک پر
ذوقِ جہاد و جذبہ عرفاں کو کیا ہوا؟

شانِ وغائے حمزہؓ و حیدرؓ کدھر گئی
روحِ دعائے بوذرؓ و سلمانؓ کو کیا ہوا؟

عزمِ حسینؑ ہے، نہ ثباتِ ابو ترابؑ
صبرِ جمیل و ضبطِ فراواں کو کیا ہوا؟

ڈنکے بجا رہے ہیں شجاعت کے گوسفند
کوئی بتاؤ، شیر نیستاں کو کیا ہوا؟

تن کر مقامِ صدر پہ بیٹھے ہیں زشت رو
یارو! عصائے موسیٰ عمراں کو کیا ہوا؟

آنکھیں دکھا رہے ہیں ستارے خدا کی شان
اے آسمان! مہرِ درخشاں کو کیا ہوا؟

اے جوشؔ! دیکھ منہ تو گریباں میں ڈال کر
کیا پوچھتا ہے، مردِ مسلماں کو کیا ہوا؟

ہوشیار اے مردِ مومن ہوشیار

خانقاہوں سے بچا دامن کہ یاں بہر شکار
بیٹھے ہیں دبکے، کمیں گاہوں میں، نقلی دین دار
ہوشیار
اے مردِ مومن
ہوشیار!
زربکف ہیں سادہ لوحی سے مریدان حقیر
ہات پھیلائے ہوئے ہیں صوفیان ذی وقار
ہوشیار
اے مردِ مومن
ہوشیار!

دل کی آنکھیں بھی کھلی رکھتے ہوں اُن آنکھوں میں جو
آہ ایسے اب کہاں ہیں عابدِ شب زندہ دار!
ہوشیار
اے مردِ مومن
ہوشیار!
عالمانِ دیں کی دستاروں میں آتے ہیں نظر
وہ بلا کے پیچ و خم جن سے ہوں اژدر شرمسار
ہوشیار
اے مردِ مومن
ہوشیار!
شیعہ و سنی میں اب تک صرف ان کے فیض سے
ایک تنگِ پنجتن ہے، ایک تنگ چار یار
ہوشیار
اے مردِ مومن
ہوشیار!
ڈالتے ہیں اس جگہ قبروں کے شمع و گل سے جال
کھیلتے ہیں اس جگہ محراب و منبر سے شکار
ہوشیار
اے مردِ مومن
ہوشیار!
جرم کی تاریخ کہتی ہے بہ آوازِ بلند
مجرموں سے بڑھ کے اس فن میں ہیں مفتی پختہ کار
ہوشیار
اے مردِ مومن
ہوشیار!

☆......☆

سلام

طبع میں کیا، تیغ بُرّاں میں روانی چاہیے
گل فشانی تا کجا، اب خوں فشانی چاہیے

بستۂ زنجیرِ محکومی! خبر بھی ہے تجھے؟
مہر و مہ پر تجھکو عزمِ حکمرانی چاہیے

مرقدِ شہزادۂ اکبر سے آتی ہے صدا
حق پہ جو مٹ جائے، ایسی نوجوانی چاہیے

شاہ فرماتے ہیں "جا لے جا خدا کے نام پر"
موت جب کہتی ہے "اکبر کی جوانی چاہیے"

سن کے جس کا نام نبضیں چھوٹ جائیں موت کی
دین کے ساونت کو وہ زندگانی چاہیے

عمر فانی سے تو برگ کاہ تک ہے بہرہ مند
مرد کو ذوق حیات جاودانی چاہیے

کون بڑھتا ہے لہو تھوڑا سا دینے کے لیے؟
اے عزیزو! دین کی کھیتی کو پانی چاہیے

جن کے سینوں میں ہو سوزِ تشنگانِ کربلا
ان جواں مردوں کی تلواروں میں پانی چاہیے

جوشؔ، ذکرِ جرأتِ مولا پہ شیون کے عوض
رخ پہ شانِ فخر و نازِ کامرانی چاہیے

تو نے حسین دہر کو ششدر بنا دیا
طوفاں کو ناؤ سیل کو لنگر بنا دیا

ان تلخیوں کو قند بنایا جو زہر تھیں
پھر مسکرا کے قند مکرر بنا دیا

مولا حبیب ابن مظاہر کے شیب کو
تو نے شباب قاسم و اکبر بنا دیا

مقتل میں صرف ایک تبسم کی موج نے
زنجیر غم کو زلف معنبر بنا دیا

جس تشنگی کی آگ پہ تھی کربلا کی دھوپ
اس تشنگی کو چشمہ کوثر بنا دیا

جو کاٹتا ہے گردن شاہان حق شکن
اپنی رگ گلو کو وہ خنجر بنا دیا

جب پتھروں کو لوگ بتوں میں بدل چکے
تو نے بتوں کو توڑ کے پتھر بنا دیا

تیرے ثبات و عزم نے خود دوش موت کو
اک دائمی حیات کا منبر بنا دیا

یوں سر جھکا دیا کہ ردائے نیاز کو
ہم رنگ ناز حضرت داور بنا دیا

جس اک عدد میں دولت ذبح عظیم تھی
تو نے اس اک عدد کو بہتر بنا دیا

☆

کر چکا سیر، اصل مرکز پر اب آنا چاہئے
اس زمیں پر اک نئی بستی بسانا چاہئے

پڑ چکے ہیں سینکڑوں روح شہادت پر حجاب
مومنو! اب ان حجابوں کو اٹھانا چاہئے

استعاروں میں بیاں کرنے کے دن باقی نہیں
داستاں، اب صاف لفظوں میں سنانا چاہئے

تیغ کے دامن کی جب آنے لگے رن سے ہوا
مرد کو انگڑائی لے کر مسکرانا چاہئے

غور سے سن، غور سے، اے ناز بردار حیات
مرد کو جینے کے دھوکے میں نہ آنا چاہئے

تیری پابوسی کو خم ہے کب سے پشت آسماں
اے مسلماں! خاک سے اب سر اٹھانا چاہئے

یوں ابھرنے سے رہا نقش حیات جاوداں
زندگی پر خون کی مہریں لگانا چاہئے

آفریں اے ہمت مردانۂ ابن رسول!
صاحب غیرت کو یونہی موت آنا چاہئے

خیر، سطح مہر و مہ تک تو گوارا ہے زوال
اس سے نیچے مرد مومن کو نہ جانا چاہئے

بستر احمد، شب ہجرت، یہ دیتا ہے صدا
اے علی! مردوں کو یونہی نیند آنا چاہیے

کچھ سنا کیا کہہ رہا ہے جوش! اکبر کا شباب؟
مینہ میں تیروں کے جوانی کو نہانا چاہیے

☆

محراب کی ہوس ہے نہ منبر کی آرزو
ہم کو ہے طبل و پرچم و لشکر کی آرزو

بام جدال و گرد رہ عزم کا ہے شوق
اورنگ کی ہوس ہے، نہ افسر کی آرزو

کانٹوں پہ حق پرست بدلتے ہیں کروٹیں
بالش کا اشتیاق، نہ بستر کی آرزو

تعویذ کیا کروں گا کہ ان بازوؤں کو ہے
اژدر شکار قوت حیدرؓ کی آرزو

کرنا ہے اپنے خون میں ہم کو شناوری
تسنیم کی تڑپ ہے، نہ کوثر کی آرزو

اس آرزو سے میرے لہو میں ہے جزر و مد
دشت بلا میں تھی جو بہتر کی آرزو

رنگیں مزاجیوں کا نہیں ہے محل ہنوز
دل کو ہے خون مرحب و عنتر کی آرزو

باد مراد و آب طرب کا نہیں ہے وقت
طوفاں کا اشتیاق ہے، صر صر کی آرزو

رقص پری و شان و خرام صبا، حرام
دل کو ہے ضرب فاتح خیبر کی آرزو

ہاں عمرِ جاوداں کی ہمیں بھی نوید دے
اے موت، اے جوانیٔ اکبر کی آرزو

جوشؔ اس سبوئے قلب پہ کون و مکاں نثار
غلطاں ہو جس میں ساقیٔ کوثر کی آرزو

☆

حسینؑ ابن علیؑ دنیا کو حیراں کر دیا تو نے
سرابِ تشنگی کو آبِ حیواں کر دیا تو نے

نظر ڈالی تو ذروں کو جواہر میں بدل ڈالا
قدم رکھا تو شعلوں کو گلستاں کر دیا تو نے

تری کشتیٔ جاں کو غرق کرنے جب بڑھا طوفاں
تو خود طوفاں کو غرقِ کشتیٔ جاں کر دیا تو نے

ضمیرِ اہل وحشت اور ذاتِ اہلِ وحشت کو
بہم پیچیدہ و دست و گریباں کر دیا تو نے

جراحت کو عطا کر کے شعار بخیہ و مرہم
خزاں کو ضامنِ رنگ بہاراں کر دیا تو نے

جو دھندلا ہو چلا پہلا ورق منشور فطرت کا
تو اپنے خون دل کو زیب عنواں کر دیا تو نے

بجھی جب شمع جاں تو زیرِ موجِ دودِ پر افشاں
حقائق کو چراغِ زیرِ داماں کر دیا تو نے

بنا کر شمع طور اپنے لہو کے گرم قطروں کو
دیارِ ذہنِ عالم میں چراغاں کر دیا تو نے

رہے گا یہ ترا احسان سرکارِ مشیت پر
کہ اے ابن علی انساں کو انساں کر دیا تو نے

کماں بے نوا کس طرح کڑکے فرق سلطاں پر
بنی آدم کی اس مشکل کو آساں کر دیا تو

بنا کر بات، پیغمبر کو بھی پیغمبری بخشی
چھڑک کر خون پھر قرآں کو قرآں کر دیا تو نے

نظر اٹھتی ہے سوئے جوشؔ تو حیرت یہ ہوتی ہے
کہ اس کافر کو اے مولا مسلماں کر دیا تو نے

کیا نمازِ شاہ تھی ارکانِ ایمانی کے ساتھ
دل بھی جھک جاتا تھا ہر سجدے میں پیشانی کے ساتھ

حشر تک زندہ ہے تیرا نام اے ابن رسولؐ
کر چکا ہے تو وہ احساں نوعِ انسانی کے ساتھ

ان کے آگے صولت دنیا کا ذکر، او ابن سعد
کھیلتی ہے جن کی ٹھوکر تاجِ سلطانی کے ساتھ

غیرت حق کو کہیں دیکھو نہ آ جائے جلال
ظالمو، ہولی نہ کھیلو خونِ ایمانی کے ساتھ

باندھتی ہو کیا ہوا اے اہرمن کی آندھیو
کھیلنا آساں نہیں ہے شمع یزدانی کے ساتھ

ہمتِ معصوم کو فاسق سے کیا خوف و خطر
یہ سفینہ مضحکہ کرتا ہے طغیانی کے ساتھ

صرف رو لینے سے قوموں کے نہیں پھرتے ہیں دن
خوں فشانی بھی ہے لازم اشک افشانی کے ساتھ

آنکھ میں آنسو ہوں، سینے میں شرار زندگی
موجہ آتش بھی ہو بہتے ہوئے پانی کے ساتھ

اہلِ بیتِ پاک کی ہر سانس کو اے مدعی
ہاں ملا کر دیکھ لے آیاتِ قرآنی کے ساتھ

جوشؔ ہم ادنیٰ غلامانِ علی مرتضیٰ
تمکنت سے پیش آتے ہیں جہاں بانی کے ساتھ

☆

للہ الحمد! کہ دل شعلہ فشاں ہے اب تک
جسم ہے پیر مگر فکر جواں ہے اب تک

اِیذائے حالات میں ہے رشتۂ آہ و شیون
شعر میں زمزمۂ آبِ رواں ہے اب تک

کب سے ہوں راہِ تنگ پہ خراماں پھر بھی
دل پہ جبریل کی دستک کا گماں ہے اب تک

شامِ عاشور کی پر ہول صدا پر بھاری
صبحِ عاشور کی گلبانگ اذاں ہے اب تک

مقتلِ شاہِ شہیداں کے خنک جھونکوں سے
بوئے انفاسِ مسیحا نفساں ہے اب تک

ابنِ حیدرؑ نے جہاں نصب کئے تھے خیمے
وہ زمیں قبلۂ رندانِ جہاں ہے اب تک

للہ الحمد کہ نقشِ کفِ پائے شبیر
مرکزِ سجدۂ صاحب نظراں ہے اب تک

دیکھ اے تشنگیِ یک نفسِ لشکرِ حق
منہ سے نکلی ہوئی باطل کی زباں ہے اب تک

ایک پل خیمۂ سوزاں پہ جو چھایا تھا کبھی
قصرِ شاہی پہ مسلط وہ دھواں ہے اب تک

جس نے چھیدا تھا علی اصغرِ بے شیر کا دل
سینۂ جور پہ وہ نوک سناں ہے اب تک

فقر اک آن میں کوثر کے کنارے پہنچا
خسروی خشک لب و تشنہ وہاں ہے اب تک

دو گھڑی سیدِ سجادؑ نے پہنا تھا جسے
پائے دولت میں وہ زنجیر گراں ہے اب تک

جوشؔ کب سے ہوں یقیں سوز فضا میں پھر بھی
چشمِ یزداں مری جانب نگراں ہے اب تک

..........سایۂ دامانِ حسینؑ٥
..........سے ہوا چاکِ گریبانِ حسینؑ

٥......اس سلام کو جوشؔ صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا قلمی نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ اصل نسخے میں مطلع کا یہ خط کشیدہ حصہ بوسیدہ اور شکستہ ہو چکا ہے اور پڑھنے میں نہیں آتا۔ (ہلالؔ نقوی)

سر اٹھاتا ہے جہاں فتنۂ باطل اب بھی
نظر آتا ہے وہیں خنجر برانِ حسینؑ

حلقۂ کثرت اعداء میں بپا ہے کہرام
مرحبا اے سفر قلبِ یارانِ حسینؑ

اکبر اٹھ، اور اذاں دے کہ مہک جائے نسیم
صبح ہونے پہ ہے اے یوسف کنعانِ حسینؑ

ڈال دیتی، گہر صبح کا منہ ظلمت شام
دمک اٹھتا نہ اگر چہرہ تابانِ حسینؑ

کشتۂ شمعوں کے دھویں پر ہیں ستارے قرباں
قابل وجد ہے یہ طرفہ چراغانِ حسینؑ

دشت ظلمت میں ہوا شہر تجلی آباد
کیا تصرف ہے زہے خانۂ ویرانِ حسینؑ

کٹ گیا پل میں سر ہمت بیعت طلبی
واہ کیا دھار ہے اے خون رگ جانِ حسینؑ

اے فلک جو نہیں دبتا ہے کسی طاقت سے
دیکھ وہ جوشؔ بھی ہے بندہ فرمانِ حسینؑ

کٹ گیا پل میں سر ہمت بیعت طلبی
واہ کیا دھار ہے اے خون رگ جانِ حسینؑ

اے فلک جو نہیں دبتا ہے کسی طاقت سے
دیکھ وہ جوش بھی ہے بندہ فرمانِ حسینؑ

یہ تعجب کیوں ہے اہلِ منبر و محراب میں
نطق پر میرے اگر جاری ہے تحسینِ حسینؑ

دوش پر میرے اگر رہتا ہے خُم تو کیا ہوا
شانۂ دل تو ہے زیرِ زلفِ مشکینِ حسینؑ

ساغرِ زر میں اگر مے ہے تو کیا پروا مجھے
شیشۂ جاں میں تو ہے صہبائے تلقینِ حسینؑ

اس سے کیا، حکمِ قضا سے ہوں اگر مینا بکف
چوکھٹے میں قلب کے تو ہیں فرامینِ حسینؑ

سانس اگر مہکی ہوئی ہے آبِ رنگیں سے تو کیا
روح کے گوشے میں تو ہے بوئے نسرینِ حسینؑ

کس حقارت کی نظر سے تاجداروں کی طرف
دیکھتے ہیں کفش بردارانِ مسکینِ حسینؑ

وقت ٹکرایا تو خود اسکی جبیں شق ہو گئی
دیکھ اے دنیا ثباتِ کاخِ آئینِ حسینؑ

زلزلے ہیں لرزہ براندام، صرصر دم بخود
مرحبا اے قلعۂ سنگینِ تمکینِ حسینؑ

خاک پر ہے یہ ثبوت ادّعائے فتح حق
خون کی موجیں نہیں، یہ ہیں براہینِ حسینؑ

صفحۂ روحانیاں و دفترِ اخلاق پر
آج بھی تابندہ ہے مُہرِ قوانینِ حسینؑ

آئے ہیں دربارِ قربانی میں سقراط و مسیح
ہاں بٹھا دو تخت کے نزدیک پائینِ حسینؑ

صد حریرِ خلد و یک تحسینِ قبائے کربلا
صد نشیدِ کوثر و یک حرف شیرینِ حسینؑ

آج تک مہکی ہوئی ہے شاہراہِ زندگی
اے زہے گل باریٔ دامانِ رنگینِ حسینؑ

آبِ خنجر سے اگر تبلیغ کی بجھتی نہ پیاس
آبِ کوثر سے کبھی ہوتی نہ تسکینِ حسینؑ

اکبر و عون و محمد قاسم و عباس و حر
اللہ اللہ آب و تابِ عقدِ پروینِ حسینؑ

بحر کا ہر قطرہ وقفِ ظنِ میزانِ فرات
دہر کا ہر ذرہ زیرِ دام تخمینِ حسینؑ

پھوٹ نکلا موت کے گرداب سے آبِ حیات
بن گئی بے رونقی دارائے تزئینِ حسینؑ

پیکرِ اقدس پہ تلواروں نے جب ڈالے شگاف
مسکرائی سوچ کر کچھ فکرِ حق بینِ حسینؑ

میرِ بزمِ آب و گل ہیں عاشقانِ بوتراب
خسروانِ علم و دانش ہیں محبانِ حسینؑ

اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا ثبوتِ دلبری
جوشؔ سا کافر منش ہے پیرو دینِ حسینؑ

منتخب رُباعیات

ہر سانس میں کوثر کے پیام آتے ہیں
ہر آن چھلکتے ہوئے جام آتے ہیں
بندوں کو جو اک بار [illegible] ہوں گلے
اللہ کے سو بار سلام آتے ہیں

یہ نارِ جہنم، یہ سزا، کچھ بھی نہیں
یہ وغدغۂ روزِ جزا، کچھ بھی نہیں
اللہ کو ''قہار'' بتانے والو!
اللہ تو ''رحمت'' کے سوا کچھ بھی نہیں

ناداں ہے محوِ خواب، دانا بیدار
وہ کیفِ روایات، یہ کربِ افکار
راتوں کے سکوت میں ہے غلطاں یہ صدا
جاگے پروردگار، سوئے سنسار

کب سر پہ کسی نبی کا احسان لیا
رازِ کونین، خود بخود، جان لیا
انسان کا عرفان ہوا جب حاصل
اللہ کو، ایک آن میں، پہچان لیا

علّت کا، نہ معلول و قضا کا منکر
حاشا، نہ خبر، نہ مبتدا کا منکر
اوہام نے جس بُت کو بنایا ہے خدا
الحاد ہے صرف اس خدا کا منکر

مجرم ہیں ہمیں سزائیں دینے والے
طوفان ہیں خود، سفینہ کھینے والے
واللہ کہ اک وبا ہیں بندوں کے لیے
ظاہر میں خدا کا نام لینے والے

تو پیکرِ عصمت ہے پشیماں کیوں ہے؟
وابستۂ اصطلاحِ عصیاں کیوں ہے؟
ممکن نہیں اک سانس مشیت کے خلاف
ہر فعل، عبادت ہے، پریشاں کیوں ہے؟

جودت کا گہر مہر مبیں سے بہتر
حکمت کی حلاوت انگبیں سے بہتر
عالم کا دیا ہوا گمانِ بد بھی
جاہل کے عطا کردہ یقیں سے بہتر

دنیا میں کسی پہ نہ تعدی کرنا
دل جس سے دکھے بات نہ ایسی کرنا
اک روز خدا کو منہ دکھانا ہے ضرور
بندے! کبھی بن پڑے تو نیکی کرنا

افکار کے رخسار پہ عالی نسبی
کردار کے آئینے میں تاب حلبی
لہجے پہ ہے بنیادِ نظامِ آفاق
اللہ رے آوازِ رسولِ عربی

اُس سمت ہے انبار خس و خار و گیاہ
اِس سمت ہے انفاس میں پھولوں کی سپاہ
زاہد ہے فقط سفیرِ ایماں کا امیں
شاعر ہے ضمیرِ مصطفیٰؐ سے آگاہ

اللہ رے علیؑ کے اس مقولے کا وقار
اس قولِ جگردار پہ کونین نثار
یعنی ہم کو نہیں ہے اِس کی پرواہ
تلوار پہ ہم چلیں کہ ہم پر تلوار

اسرار کے در کھول رہے ہیں خاموش
حکمت کے گہر رول رہے ہیں خاموش
اے پیکِ محل شناس جبریلِ امیں
اس وقت علیؑ بول رہے ہیں خاموش

کیا صرف مسلمان کے پیارے ہیں حسینؑ
چرخ نوعِ بشر کے تارے ہیں حسینؑ
انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

لو فقر میں شانِ تاج داری آئی
شاہانہ ادا سے خاکساری آئی
وہ جانبِ کربلا جھکا عرش بریں
وہ آلِ محمدؐ کی سواری آئی

یہ رات جو گنگنا رہی ہے ساقی
پیغامِ عروج لا رہی ہے ساقی
کوثر پہ ہے انتظار شاید میرا
آوازِ حسینؑ آرہی ہے ساقی

اٹھی، سوئے کبریا، محمدؐ کی نگاہ
آدم کو ملا اپنی شرافت کا گواہ
سجدے میں قلم ہوا جو شبیرؑ کا سر
کج ہوگئی فرقِ نوعِ انساں پہ کلاہ

کیا خوب، تمنائے شہادت نہ ملے
جنسِ عمل و متاعِ جرأت نہ ملے
آنکھوں کو رطوبت تو ملے آنسو کی
سینے کو حسینؑ کی حرارت نہ ملے

اوہام کو ہر اک قدم پہ ٹھکراتے ہیں
ادیان سے ہر گام پہ ٹکراتے ہیں
لیکن جس وقت کوئی کہتا ہے حسینؑ
ہم اہلِ خرابات بھی جھک جاتے ہیں

صہبائے ولا کا جام لیتے جانا
ہاں کیف فزا پیام لیتے آنا
جانا ہو جو کربلا تو یارانِ عزیز
مستوں کا بھی سلام لیتے جانا

اللہ ری ، ولی ابنِ ولی کی آواز
سازِ ابدی و ازلی کی آواز
یہ آج جو اک گونج ہے آزادی کی
یہ بھی ہے حسینؑ ابن علیؑ کی آواز

قدرت نے اٹھایا تھا حجابِ اکبر
آیا تھا زمیں پہ انقلابِ اکبر
جنگاہ کا تجھ پہ ہے توازن نازاں
اے شیبِ حبیب ، اے شبابِ اکبر

لب خشک رہے، چشمہ ابلتا ہی رہا
اڑتے رہے سر قافلہ چلتا ہی رہا
شعلے بھڑکے نہ آنچ آئی دل پر
آندھی گرجی، چراغ جلتا ہی رہا

کچھ پھول سے تا دور کھلے جاتے ہیں
کچھ سرخ علم سے ہیں کہ لہراتے ہیں
فرقِ آدم پہ تاج رکھنے سرِ حشر
ہٹ جاؤ فرشتو کہ حسینؑ آتے ہیں

مقتل ہے رواں زینبؑ خود دار کے ساتھ
شور طوفاں ہے چشم خونبار کے ساتھ
غوغائے قیامت ہے رواں سوئے یزید
سجاد کی زنجیر کی جھنکار کے ساتھ

عباسؑ علم کھول رہے ہیں گویا
شمشیر دودم تول رہے ہیں گویا
زینبؑ سرِ دربار ہیں سرگرمِ خطاب
میداں میں علیؑ بول رہے ہیں گویا

دنیا میں ہیں بے شمار آنے والے
آتے ہی رہیں گے روز جانے والے
عرفانِ حیات ہو مبارک تجھکو
اے شدتِ غم پہ مسکرانے والے!

اے بارِ الہ نوحہ سناتا پھرتا
تا روز جزا اشک بہاتا پھرتا
امداد نہ کرتے جو ترس کھا کے حسین
اسلام ترا ٹھوکریں کھاتا پھرتا

سینے پہ مرے نقش قدم کس کا ہے
رندی میں یہ اجلال و حشم کس کا ہے
زاہد مرے اس ہات کے ساغر کو نہ دیکھ
یہ دیکھ کہ اس سر پر علم کس کا ہے

اہلِ عالم کو مبارک جوشؔ فانی عز و جاہ
فخر کافی ہے مجھے ہم نامیٔ شبیر کا

شبیر حسن خاں جوشؔ ملیح آبادی

شبیر حسن خاں جوش ملیح آبادی کا نام اردو شاعری کی پوری تاریخ کے اہم ترین ناموں میں شمار کیا جاتا ہے، انہیں شاعر انقلاب بھی کہا گیا، شاعر شباب بھی اور شاعر فطرت بھی۔ جوش صاحب، آفریدی پٹھان ہیں اور آدم خیل کی ایک شاخ 'علی خیل' سے ان کا تعلق ہے۔ پشاور سے ۷ میل دور خیبر ایک علاقہ ہے جہاں سے جوش صاحب کے آباء و اجداد ہجرت کر کے مغلیہ دور میں ہندوستان آ گئے تھے اور ملیح آباد میں آ کر آباد ہوئے۔ ملیح آباد، لکھنؤ سے تقریباً ۱۳ میل کے فاصلے پر ایک بستی ہے جو تقریباً ایک ہزار سال پرانی ہے۔ اسی بستی میں جوش ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۸۲ء میں اسلام آباد میں ان کا انتقال ہوا۔ بہت ہی کم سنی میں انہوں نے شعر کہنا شروع کر دیئے تھے۔ ایک تحقیقی اندازے کے مطابق ۸۸ برس پر محیط زندگی میں کم و بیش ۷۵ برس تک ان کا شعر و ادب سے رشتہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے شعری و نثری مجموعوں کی تعداد اپنے تمام ہم عصروں سے زیادہ ہے۔ جبکہ ان کا کثیر ادبی سرمایہ اب بھی غیر مطبوعہ ہے۔

ل ال ن ق ی

احمد بکسیلرز

718 بلاک 20، فیڈرل بی ایریا، کراچی۔

فون: 021-36364924